معلّم تقریر

سِلسِلۂ تبلیغ جماعت اہلِ سُنّت

الحمد للہ القدیر کہ دریں زمانِ فرحِ نَو

کتاب لاجواب

مُعلّم تقریر

یعنی

نئی تقریریں

جس میں!

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب مدظلہ العالی گجرات پاکستان کی وہ تقریریں جمع کردی گئی ہیں جو آپ نے عنقریب وقت پر مختلف جگہ ارشاد فرمائیں

مِلنے کا پتہ

نعیمی کُتب خانہ ۰ گجرات ۰ پاکستان

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ؕ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاَصۡحَابِہٖ وَبَارِکۡ وَسَلِّمۡ ؕ

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ۙ وَذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ؕ

اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ایسی ہے۔ جس کی دنیا عاشق ہے۔ مومن کافر شاہ و گدا بچہ، بوڑھا، امیر و غریب، عورت، مرد غرض کوئی انسان ایسا نہیں۔ جس کو اس کی تلاش نہ ہو، اس نعمت کا نام ہے کامیابی ؛

تجارتیں، سلطنت کی لڑائیاں، بچوں کی تعلیم و تربیت، سارے کاروبار اسی کامیابی کی دھن میں ہو رہے ہیں۔ سلاطین اُسی کامیابی کی خاطر آج لاکھوں مہلک ہتھیار تیار رہے ہیں۔ آٹم بم۔ ہائیڈروجن بم، اُسی معشوق کی تلاش میں تیار ہوئے ہیں۔ غرض ایک کامیابی کی خاطر انسان لاکھوں کا خون بہا دیتا ہے۔ اور اسی کی جستجو میں عمر صرف کر دیتا ہے ؛

لیکن اس کامیابی کے مفہوم سمجھنے میں انسان کا بڑا اختلاف ہے۔ کسی کے نزدیک مال دار ہونا کامیابی ہے۔ کسی کی سمجھ میں تخت و تاج کا مالک ہونا ہی کامیابی ہے۔ کوئی خیال کر رہا ہے۔ کہ بڑے عہدے پر پہنچ جانا کامیابی ہے۔ مگر یہ سب غلطی پر ہیں ؛

کامیابی وہ ہے۔ جسے رب تعالیٰ کامیابی فرما دے۔ اگر مال دار ہونا کامیابی ہوتی۔ تو قارون بڑا کامیاب ہوتا۔ کہ وہ مال دار تھا۔ اگر تخت و تاج کا مالک ہونا کامیابی ہوتی تو نمرود بڑا کامیاب ہونا چاہیئے تھا۔ کہ وہ تمام دنیا کا بادشاہ

تھا۔ اگر بڑے عہدے والا ہونا کامیابی ہوتی۔ تو یزید بڑا کامیاب ہوتا۔ کہ وُہ خلافت کا عہدے دار بن بیٹھا۔ حالانکہ صدیوں سے اُن سب پر مشرق و مغرب میں لعنت ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کامیابی کوئی اور ہی چیز ہے۔ اِس آیت میں اِس کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ کامیابی کیا ہے؟

اِرشاد باری ہے۔ کہ کامیاب وُہ ہے۔ جو تین صفات اپنے میں پیدا کرے۔ (-)

۱-: دل کی صفائی (۲) نماز کی پابندی (۳) اور اپنے پیارے رب کا نام جپنا۔ کیونکہ وُہ فرضی کامیابیاں عارضی اور فانی ہیں۔ اور یہ کامیابی اصلی اور باقی ہے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ہم اپنے رب کے فضل سے ان تینوں پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے اور توفیق عمل بخشے ؎

دل کی صفائی

اِس کے متعلق دو چیزیں عرض کرنی ہیں۔ ایک یہ کہ اِس کی ضرورت کیوں ہے؟ دُوسرے یہ کہ یہ کیسے حاصل ہوتی ہے؟

قلب سارے قالب کا بادشاہ ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہے۔ تو سارے قالب سے اچھے کام ہوں گے۔ اور اگر یہ بگڑ گیا۔ تو قالب بگڑ گیا۔ یُوں سمجھو۔ کہ قلب کی زندگی قالب کی زندگی ہے۔ اور قلب کی موت قالب کی موت ہے ؎

زندگی زندہ دِلی کا نام ہے
مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

قلب کی صفائی اِس کی زندگی ہے۔ اور قلب کی گندگی اِس کی موت یُوں سمجھو۔ کہ زندگی اور گندگی جمع نہیں ہوتیں۔ پاک دل والا بعد موت بھی زندہ ہے:۔ بَلْ اَحْیَاءٌ

وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ط مسلمان بعد شہادت زندہ ہے - کیونکہ وہ پاک قلب والا ہے - اور گندے دل والا اپنی زندگی میں بھی مردہ ہے - اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ط زندہ کافر مردے ہیں - زندہ نہیں اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی آپ اُن مردہ دل کافروں کو کلام ربانی نہیں سنا سکتے ؛

مثال سمجھو - کہ چھوٹے بچے تختی لکھتے ہیں - تو جب تک پچھلے نقش پانی سے نہ دھولیں - دوسرے نقش اس پر نہیں لکھ سکتے - دل بھی ایک تختی ہے - جب تک اس کو حرص و ہوس، فسق و فجور اور دنیاوی وسواس سے نہ دھولیا جائے - تب تک اس پر ایمان و تقویٰ، محبت اور عشقِ الٰہی کے نقش قائم نہیں ہو سکتے - غرض کہ طغیان اور عرفان جمع نہیں ہوتے ؛

پھر بچے تختی کو پانی سے دھوتے ہیں - کھریا مٹی سے سفید کرتے ہیں - دھوپ سے سکھاتے ہیں - پھر ہاتھ سے صاف کرتے ہیں - تب وہ دوسری تحریر کے قابل ہوتی ہے - اسی طرح اس دل کی تختی کو آنکھوں کے آنسو سے دھوؤ - اور عبادات کی کھریا سے سفید کرو - پھر عشق کی دھوپ میں سکھاؤ - پھر کسی کامل ہاتھ سے صاف کرو - تب یار کے جلوے نظر آئیں گے - اور اس پر نہ مٹنے والا رنگ چڑھے گا - مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند

میل مارا جانب زاری کند

زور را بگزار زاری را گیر

رحم سوئے زاری آید اے فقیر

جس پر خدا کی رحمت ہوتی ہے - اُسے عشقِ خدا میں رونے کی توفیق ملتی ہے - اس بارگاہ میں زور نہیں چلتا - زاری کام آتی ہے - پانی نیچے کو جاتا ہے - اُدھر

نہیں چڑھتا۔ اسی لئے پست زمین میں تالاب ہوتا ہے۔ نہ کہ پہاڑ کی چوٹی یا درختوں کی شاخوں میں۔ تم بھی پست زمین بنو ٭

گندے دل کی صفائی دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ عبادت و ریاضت اور کسی اہلِ نظر کی نظر ٭

عبادات سے آہستہ آہستہ مگر کامل کی نگاہ سے دفعتاً دل صاف ہو جاتا ہے۔ گندی زمین دو چیزوں سے پاک ہوتی ہے۔ پانی سے دھونا اور آفتاب کی نورانی کرنوں کا اس پر پڑنا۔ کہ یہ سورج ایک دم گندی زمین کو خشک کر کے صاف کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارا دل یا عبادات کے پانی سے پاک ہوگا۔ یا مدینہ کے سورج کی نورانی نظر سے پھر یہ نہ سمجھو۔ کہ وہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ کے ہرے گنبد میں رہتے ہوئے ہم دور افتادگان کو کیسے پاک فرمائیں گے۔ جب آسمان کا مٹنے والا سورج چوتھے آسمان پر ہوتے ہوئے اتنی نیچی زمین کو پاک کر دیتا ہے۔ تو کیا دین و ایمان وہ سچا اور پائدار عرب کا سورج، عجم کا چاند، اللہ کا پیارا، مجھ جیسے ٹوٹے دلوں کا سہارا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اتنے تھوڑے فاصلہ سے ہمیں پاک نہیں کر سکتا؟ ہاں ضرور کر سکتا ہے ؎

چمک تجھ سے پاتے سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

اسی لئے انہیں قرآن کریم نے سراج منیر یعنی چمکانے والا سورج فرمایا۔ اور بتایا۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ۵

آؤ ہم بتائیں۔ کہ اللہ والوں کی نظر سے دل کی کایا ایک دم کیسے پلٹتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے ستر ہزار جادوگر جب مقابلہ میں آئے۔ تو کافر بھی تھے۔ فاسق بھی، گنہگار اور بدکار بھی۔ غرض برائیوں کا مجموعہ تھے۔

مگر میدان مقابلہ میں آ کر اُنہوں نے مُوسیٰ علیہ السّلام کا یہ ادب کیا۔ کہ اُن سے اجازت لے کر جادُو چلایا۔ عرض کیا۔ وَاِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ تَكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقُوْنَ۔ یہ اَدب بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہُوا۔ اور مُوسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نظر کی برکت سے اولاً مومن بنے۔ پھر صحابی رسُول، پھر صابر، پھر شہید غرض کہ اُن لوگوں نے ایک دن میں چار پلٹے کھائے۔ یہ ہے:۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۵ اور یہ ہے نگاہِ کرم ؛

حکایت:۔ مثنوی شریف میں ہے۔ کہ حضرت سلطان العارفین با یزید بسطامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ میں بسطام شریف میں ایک حسینہ رنڈی آ گئی۔ جس کے حُسن میں سارا شہر گرفتار ہو گیا۔ لوگ فسق و فجور میں پھنس گئے۔ لوگوں نے سلطان العارفین کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ آپ کا زمانہ ہو۔ لوگ ایسی معصیت میں مُبتلا ہو جائیں۔ جائے تعجب ہے۔ فرمایا ماجرا کیا ہے؟ لوگوں نے اُس رنڈی کا حال بیان کیا۔ فرمایا۔ چلو ہم اُس رنڈی کے گھر چلیں۔ اُس کے دروازے پر مصلّٰی بچھا کر نماز شروع کر دی۔ رات تک نماز میں نوافل پڑھتے رہے۔ اس درمیان میں جو کوئی رنڈی سے ملنے آیا۔ حضرت کو دیکھ کر لوٹ گیا ؛

رات گئے آپ نے رنڈی سے پوچھا۔ کہ مائی! تیری روزہ کی آمدنی کتنی ہے۔؟ اس نے بتائی۔ وہ رقم ہی اپنی گرہ سے اُسے عطا فرما کر ارشاد فرمایا۔ کہ چونکہ ہم نے تیری پوری فیس ادا کر دی۔ اب تیری یہ رات ہماری ہو گئی۔ اس نے عرض کیا۔ کہ بے شک!

فرمایا اب جو ہم کہیں وہ کر۔ اُس نے کہا۔ بہت اچّھا۔ فرمایا وضو کر کے دُو رکعت نفل ادا کر۔ اس نے تعمیل ارشاد کی۔ جب قیام و رکوع کر کے اُس نے سجدے میں سر رکھا۔ کہ سلطان نے بارگاہِ ربّ العالمین میں ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھائے۔

اور یُوں عرض کیا ؎

آنچہ کارم بود آخر کردمش
کہ زنا سوئے نماز آوردمش

مولے مجھ کمزور ضعیف بندے کا اتنا ہی کام تھا۔ کہ اِس فاسقہ کو زنا سے روک کر تیری بارگاہ میں جھکا دیا۔ اب اگلا کام تیرا ہے۔ کہ تو اِس جھکے سر کو قبول کرے۔ یا مردُود ۔

پھر عرض کیا۔ کہ مولے اگر تُو نے اُسے مردُود کر کے نکال دیا۔ اور کل یہ پھر فاسقہ ہی رہی۔ تو میری بڑی بدنامی ہو گی۔ مجھے اِس کے دروازے پر عام مخلوق نے دیکھا ہے۔ فرمانے لگے ؎

بر دست آوردہ ام من اے خدا
قلبہا قلب طفیلِ مصطفیٰؐ

یہ نہ دیکھ کہ آنے والی کون ہے۔ مولیٰ یہ دیکھ کہ لانے والا کون ہے۔ میں تیرا گنا ہگار بندہ اُسے لایا ہوں۔ اب اِس سنہری جالیوں والے ہرے گنبد کے مکین، محمد امین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ سے اِس کے دل کا رُخ پھیر دے کہ اِس کا دِل مدینہ پاک کی طرف متوجہ ہو جائے۔ یہ دُعا کرنا تھی۔ کہ وُہ فاسقہ عارفہ بن گئی۔

دُوسرے دن جب اِس کے عاشق اُس سے ملنے آئے، تو بولی۔ کہ اب مَیں تمہارے کام کی نہیں۔ جن آنکھوں نے بایزید بسطامی کا جمال دیکھ لیا۔ وُہ اور کِسی کو کیا دیکھے ؎

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون آنکھوں میں سمائے دیکھ کے تلوہ تیرا

یہ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ؕ

خیال رہے۔ کہ دل کی صفائی تین طرح کی ہے۔ ایک شرک و کفر سے صفائی، جو کلمہ طیبہ کے ذریعہ ہر مسلمان کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہر عبادت کے لئے ایسی ضروری ہے۔ جیسے نماز کے لئے وضو۔ دوسرے گناہوں، ریا، حسد سے صفائی یہ عبادات سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور نگاہِ ولی سے بھی تیسرے غیر خدا سے صفائی۔ کہ دل سے اغیار خارج ہو جائیں۔ اور تجلّی گاہِ یار بن جائے۔ یہ درجہ محض اولیاء اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ تینوں صفائیوں کا ذکر فرما رہی ہے۔ جس دل میں ایسی صفائی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دنیا کے رنج و غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ تمام تفکّرات دل کے نیچے رہتے ہیں۔ دل کے اندر نہیں آتے کیونکہ دل کے اندر تو اُن کی جگہ ہی نہ رہی۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است

آب اندر زیر کشتی پشتی است

کشتی کے نیچے دریا کا پانی رہے تو فائدہ مند ہے۔ کشتی کے اندر آ جائے۔ تو ہلاک کر دے گا۔ دل کشتی ہے۔ اور دُنیا دریا۔ یا دل کعبہ ہے۔ اور دنیا بُت، جیسے کعبہ معظمہ تین سو سال تک بُت خانہ بنا رہا۔ پھر پیارے محبوب مصطفیٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے ہاتھوں وہ بُت خانہ سے خدا خانہ بنا۔ ایسے ہی دل بُت خانہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نظر سے یہ خدا خانہ بن سکتا ہے ؎

کھول دو سینہ مرا فاتح مکّہ آ کر

کعبۂ دل سے صنم کھینچ کے کر دو باہر

کوشش کرو۔ کہ سینہ کینہ سے پاک ہو کر مدینہ بن جاوے۔ تاکہ اس پر سکینہ نازل ہو ؎

بنا دو میرے سینہ کو مدینہ

نکالو بحرِ غم سے یہ سفینہ

یہ تو مَنْ تَزَکّٰی کا مختصر طریقہ سے بیان ہوا - دُوسری چیز یہ ہے:- وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ - رب کی یاد، جو دنیا میں اُسے یاد کرتا رہا شاد رہا - جو غافل ہوا - برباد ہو گیا - اِس کی یاد آبادی ہے - اور غفلت بربادی ہے

آباد وہی دل ہے جس میں تمہاری یاد ہے

جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

اللہ کا ذِکر ایسا چاہیئے - کہ دل میں اِس کا خیال ہو - سر میں اِس کا دھیان رہے، زبان پر اِس کا چرچا ہو - آنکھوں میں اِس کا جلوہ ہو، کانوں میں اُس کے کلام کے نغمے ہوں - ہاتھ، پاؤں پر اِس کی اطاعت ہو - غرض انسان اِس میں ایسا گھِر جائے - جیسے پانی میں مچھلی، مولانا روم مجنوں کا ایک قِصّہ نقل فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

دید مجنوں را کسے صحرا نورد !

در بیابانِ جنوں بنشستہ فرد

کسی مُسافر نے مجنوں کو جنگل میں اکیلا بیٹھا دیکھا - قریب گیا - تو معلوم ہوا - کہ کچھ شغل بھی کر رہا ہے

ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم

می نمودے نامہ بہر کس رقم

ریت کو کاغذ بنایا ہوا ہے - اور اپنی اُنگلیوں سے قلم کا کام لے رہا ہے - یعنی اُنگلیوں سے ریت پر کچھ لکھ رہا ہے - تعجب کرتے ہوئے پُوچھا :-

گفت اے مجنونِ شیدا چیست این
مے نویسی نامہ بہر کیست این

پُوچھا اے مجنوں! یہ انوکھا خط کسے لکھ رہے ہو؟ اُسے کون قاصد لے کر جائے گا؟ اور کون پڑھے گا؟ ایسے انوکھے خط کا قاصد بھی نرالا ہی ہونا چاہیئے۔ جواب دیا ؎

گفت مشقِ نامِ لیلیٰ مے کنم
خاطرِ خود را تسلّی مے دہم

کہا تم اپنے خیال میں ہو۔ اور مَیں اپنے خیال میں۔ مَیں تو اپنی محبوبہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں۔ دل کو تسلّی دے رہا ہوں۔ چاہتا یہ ہوں۔ کہ تا حدِّ نظر میدان میں ہر طرف لیلیٰ کا نام ہو۔ اور بیچ میں یہ عاشق زار ہوتا۔ کہ تسلّی خاطر حاصل ہو۔ ؏

معلوم ہوا۔ کہ پیارے کے ذکر سے دل کو تسلّی ہوتی ہے ربِّ تعالیٰ فرماتا ہے :- اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ

خیال رہے کہ اگر ہمیں ربّ تعالیٰ سے محبّت ہے۔ تو اس کے ذکر سے بھی اُلفت ہو گی۔ غرض کہ جس چیز کو رب سے نسبت ہو گی۔ وہ ہی ہماری پیاری ہو گی۔ مولانا فرماتے ہیں :- ؎

گفت معشوقے بعاشق اے فتیٰ
تو بغربت دیدۂ بس شہر ہا

کسی معشوق نے اپنے عاشق سے پوچھا۔ کہ تُو نے مُلک کی سیر کی ہے خاک چھانی ہے۔ بیر بیتے ہیں :-

؎

پس گدائی شہر زانہا خوشتر است
گفت آں شہرے کہ درو دے دلبر است

یہ تو بتا۔ اُن سب میں کون سی اچھی بستی ہے؟ وُہ بولا کہ وُہ بستی جہاں اپنا دلبر ہو۔ اگر دلبر قبرستان میں بیٹھ جاوے۔ تو وُہ آباد شہر ہے۔ اگر شہر سے چلا جاوے۔ تو وُہ قبرستان ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خُوب فرمایا ؎

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است
اے خوشا شہرے کہ آنجا دلبر است

مدینہ کی خاک دونوں جہاں سے اعلیٰ۔ کیونکہ یہ بستی خواب گاہِ محبُوب ربّ العالمین ہے۔ اِس لئے یہاں فرمایا:- وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّهٖ ؕ

خیال رہے۔ کہ ربّ تعالیٰ کے ذکر کی تین صُورتیں ہیں۔ اِس کی ذات و صفات کا ذکر یہ بھی اُس کا ذِکر ہے۔ اِس کے پیاروں کی مدح خوانی، یہ بھی اُسی کا ذکر ہے۔ اِس کی دشمن کی ہجو۔ یہ بھی اُسی کا ذکر۔ پُورا قرآن اللہ کا ذکر ہے۔ مگر اِس میں یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ؕ بھی خدا کا ذِکر ہے۔ اور تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ بھی۔ اور سورۂ فتح کی آخری آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ؕ بھی اُسی کا ذکر ہے ؛

یہ بھی یاد رکھو۔ کہ ذکرِ لسانی، ذکرِ جنانی، ذکر ارکانی سب اللہ کا ذکر ہیں۔ اُن سب میں قوی ذکر جنانی ہے۔ ذکر دل کا ذکر جسے صُوفیائے کرام فکر کہتے ہیں۔ فِكْرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ ذِكْرِ اَلْفِ سَنَةٍ ؕ یعنی ایک ساعت کی فکر ہزار برس کے ذکر سے افضل ہے۔ اِسی لئے قرآن حکیم میں فکر کی بہت تاکید فرمائی۔ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ؕ

تیسری چیز ہے۔ فَصَلّٰى یعنی نماز۔ اگرچہ نماز بھی ذکر کی قسم ہے۔ مگر

اِس کے اشرف و اعلیٰ ہونے کی وجہ سے اِس کا علیحدہ ذکر فرمایا۔ نماز وہ اعلیٰ چیز ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے تمام احکام بذریعہ جبریل امین زمین پر ہی بھیجے۔ مگر نماز حضور علیہ السلام کو عرش پر بُلا کر بذریعہ واسطہ عطا فرمائی ؛

خیال رہے۔ کہ نماز پڑھ لینا کمال نہیں۔ بلکہ نماز کا قائم کرنا کمال ہے اُسی لئے قرآن کریم نے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فرمایا۔ ہمیشہ پڑھنا ظاہری باطنی شرطیں پوری کر کے ادا کرنا، نماز کی فکر رکھنا۔ یہ قائم کرنا ہے۔ یہ ہی اُسی جگہ مراد ہے۔

اگر نماز کو درُست کر کے پڑھیں۔ تو انشاء اللہ نماز بھی ہمیں درُست کر دے گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ

خیال رہے۔ کہ نماز باقی دیگر عبادات، روزے و زکوٰۃ وغیرہ سے افضل ہے۔ کیونکہ وہ عبادات ہیں۔ ہمارے کام اور نماز ہے۔ رب کا نام۔ یعنی ہمارے کام سے اِس کا نام افضل ہے اسی لئے قیامت کے دن گناہوں کے دفتروں سے کلمہ طیبہ وزنی ہو گا۔ کیونکہ نام الٰہی بڑی اعلیٰ نعمت ہے ہمارے بُرے کام سے اِس کا نام وزنی ہے ؛

نماز پنجگانہ دراصل سُلطانی درگاہ میں فُقراء کی حاضری ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت پیغمبر اگر کوبی درے
لاجرم بینی کہ بہ آید سرے
گر نشینی بر سرِ کوے کسے
زود بینی عاقبت روے کسے

اگر کسی کا دروازہ بجائے جاؤ۔ تو کوئی نہ کوئی گھر میں سے پُوچھنے ضرور آئے گا۔ اگر کسی کی گلی میں بیٹھ جاؤ۔ تو آتے جاتے اُس کی مُلاقات ضرور ہو جائے گا ؛

بندے کو چاہیئے۔ کہ رب کا دروازہ بجائے جائے کبھی سُنے گا ہی۔ اور اگر وُہ پیارا کبھی توجہ کرم نہ بھی کرے۔ تو اِس بے اعتنائی پر صابر و شاکر رہو۔ عُشاق تو محبُوب کی بے پرواہی پر قربان ہوتے ہیں۔: مولانا فرماتے ہیں:۔؎

ناخوشی و خوشی بود در جانِ من
جاں فدائے یار دل رنجانِ من
عاشقم بر رنج خویش و درد خویش
بہر خوشنودی شاہ فرد خویش

دل دکھانے والے یار پر میری جان نثار ہو۔ اس کی بھیجی ہوُئی خوشی میرے لیئے صدہا خوشیوں کا باعث ہے۔ مَیں تو اپنے رنج و غم پر عاشق ہوں۔ تاکہ یار راضی رہے۔ جنہوں نے رب کی رضا کے لیئے مصیبتوں پر صبر کیا ہے۔ اُنہیں رب تعالیٰ نے دُنیا بھر بھی عزت و آبرو اور مصیبت سے نجات بخشی۔ اور آخرت میں جو رتبہ دے گا۔ وُہ ہمارے خیال سے باہر ہیں۔ رب تعالیٰ کی طرف سے اگرچہ پہلے بے پرواہی ہوتی ہے۔ لیکن جب بندہ اِس پر صابر و شاکر رہے۔ تو بڑی جزا بخشتا ہے ::

حکایت:۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرصہ تک اُمیہ بن خلف کے ہاتھوں بے شمار مُصیبتیں اُٹھاتے رہے۔ مگر بجز صبر و شکر کچھ نہ کیا۔ ایک مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس گلی سے گزرے جہاں اُمیہ کا گھر تھا۔ آپ نے حضرت بلال کا حالِ زار دیکھ کر نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں یُوں عرض کیا ؎

بعد ازاں صدیق پیشِ مصطفیٰ
گفت حالِ آں بلالِ با وفا

پیش مشرق چار بخش مے کند
تن برہنہ شاخ خارش می زند
از تنش صد جا خوں بر می جہد
او احد می گوید و سر می نہد

یا رسول اللہ میں نے بلال کو دیکھا ہے۔ کہ اُمیّہ انہیں تپتی دُھوپ میں گرم ریتہ پر چہ جینحر کرکے لٹاتا ہے:۔ پھر کانٹوں والی شاخ سے مارتا ہے۔ جسم ننگا کرکے کانٹوں کی مار لگاتا ہے۔ جس سے اُن کے جسم شریف پر سینکڑوں زخم ہو جاتے ہیں۔ اور اُن سب سے خون بہتا ہے:۔

سرکار نے حکم دیا۔ کہ بلال کو خرید لو۔ آپ خرید کر بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہُوئے۔ تو ؎

چوں بدید آں خستہ روئے مُصطفیٰ
خرّ مغشیًا علیہ بر قفا
مصطفیٰ از خود کنارے می کشید
کس نداند بخششے را کو رسید

حضرت بلال نے جو چہرہ انور دیکھا۔ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم نے یہ ملاحظہ فرما کر خود اُٹھ کر اُنہیں اپنی گود میں اُٹھا لیا۔ سینہ سے لگایا۔ نہ معلُوم اِس صحبتِ نبی کریم نے داتا نے، سچّے پیغمبر نے کیا دیا۔ اور باوفا غلام نے کیا لیا۔ یہ تو دینے والا جانے، یا لینے والا۔ اِس کے بعد ؎

مصطفیٰ گفتش کہ اے اقبال جُو
در خریدن مے شوم ہمراہ تُو

گفت ما دو بندگان کوئے تو
کردمش آزاد ہم بر روئے تو

حضورؐ نے فرمایا۔ کہ ابوبکر صدیقؓ اِس خرید میں ہمیں بھی اپنا ساتھی بنالو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ بلال کے خریدار ہیں جتنی قیمت تم دے کر لائے ہو۔ اُس کی نصف ہم سے بھی لے لو۔ اُنہوں نے عرض کیا۔ کہ حضورؐ میں کس کا؟ اور میرا مال کس کا؟ میں بھی حضورؐ کا غلام، یہ بلال بھی حضورؐ کا غلام، غلام نے غلام کو خریدا ہے۔ سرکار گواہ رہیں۔ میں اُنہیں آپ کے رُوبرُو آزاد کرتا ہوں۔

غرض کہ حضرت بلال کا یہ واقعہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰیؔ کی زندہ جاوید تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن مقبولوں کے طفیل ہمیں بھی تزکیہ عطا فرماوے۔ آمین ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ○

اِس آئیتِ کریمہ میں ربّ العالمین نے قوم عاد کی ہلاکت اور اِس کے اسباب کا ذِکر فرمایا ہے۔ تاکہ مُسلمان اُن اسباب سے پرہیز کریں۔ جن سے قومِ عاد ہلاکت ہوئی تھی۔ اِس آئیت میں قوم عاد کی ہلاکت کے تین اسباب کا ذکر ہے :۔

۱ -: تکبّر (۲) شیخی مارنا (۳) نبی کا انکار

اِس صُحبت میں اُن ہی تین چیزوں کا ذکر ہوگا۔ ربّ تعالیٰ ہر مسلمان کو اُن سے بچنے کی توفیق دے۔ پہلے یہ عرض کروں۔ کہ قومِ عاد کون تھی۔؟

خیال رہے۔ کہ قومِ عاد ابن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السّلام کی اولاد میں سے ہے۔ یہ مقام احقاف میں آباد تھی۔ جو یمن کے قریب ہے۔ یہ بہت قدآور شہ زور لوگ تھے۔ چنانچہ اُن کا پستہ قد آدمی ۶۰ گز کا اور درمیانی قد کا آدمی ۱۰۰ گز کا ہوتا تھا ؛

اُن کے بارے میں قرآنِ کریم فرماتا ہے :۔ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ شہ زوری کا یہ عالم تھا۔ کہ اُن کا معمولی آدمی پہاڑ کی بڑی بڑی چٹانیں اُٹھا لیتا تھا۔ بڑے کاریگر بڑے مال دار لوگ تھے (روح البیان) ؛

اُن کی ہنرمندی ، شہ زوری کا تذکرہ قرآن کریم نے جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ اُن میں حضرت ہود علیہ السّلام تبلیغ کے لئے بھیجے گئے۔ مگر انہوں نے اُن کی

مخالفت کی۔ اور ہوا سے ہلاک کر دیئے گئے۔ چونکہ یہ لوگ متکبّر تھے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں نہایت ہلکی اور معمولی چیز یعنی ہوا سے ہلاک کیا۔ تاکہ معلوم ہو جاوے۔ کہ رب تعالیٰ ابابیل سے فیل اور مچھّر سے نمرود کو ہلاک فرما سکتا ہے ؛

چونکہ اس قوم میں تین عیب تھے۔ جن کا اس آیت میں ذکر ہے لہٰذا یہ تین چیزیں ہی بیان کرتا ہوں ؛

تکبّر یہ لفظ کبر سے بنا ہے۔ بمعنی بڑائی۔ اس کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا۔ یہ عیب تمام عیبوں کی جڑ ہے۔ تکبّر ہی کی وجہ سے کفر گناہ، جنگ، جدال جھگڑے ہوتے ہیں۔ اگر انسان میں تواضع اور انکساری ہو، تو نہ اس کی کسی سے جنگ ہو۔ نہ جھگڑا۔ سب کو شیطان نے گمراہ کیا۔ مگر شیطان کو تکبّر نے ہلاک کر دیا۔ اُسے اپنے ناری ہونے اور اپنی عبادات پر غرور ہوا۔ اور مارا گیا ؛

خیال رہے کہ تکبّر دو قسم کا ہے :- (۱) صحیح ؛ (۲) غلط ؛

اگر کوئی واقعی کسی سے بڑا ہے۔ اور اپنے کو بڑا سمجھے۔ تو یہ تکبّر صحیح ہے اور جو واقعہ میں بڑا نہ ہو۔ اور پھر اپنے کو بڑا جانے۔ تو یہ تکبّر غلط ہے۔ صحیح تکبّر کبھی فرض ہوتا ہے۔ کبھی جائز۔ اور غلط تکبّر کبھی حرام ہے کبھی کُفر۔ جیسے غازی کفار کے مقابلے میں کھڑا ہو۔ تو اُسے ذلیل جانے اور اپنے کو اچھا۔ یہ عین ضروری ہے ورنہ جہاد نہیں کر سکتا ؛

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب میدانِ جہاد میں جاتے۔ تو فرماتے اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہْ۔ اے بے ایمان میں وہ ہوں۔ کہ میرا نام ماں میری نے حیدر کرار رکھا ہے۔ یعنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا شیر۔ حیدر بمعنی

شیر اور کرار بمعنی بار بار پلٹ کر حملہ کرنے والا۔ ؂

اور جب محراب مسجد میں تشریف لاتے۔ تو روتے ہوئے عرض کرتے۔

؎ اِلٰہِیْ عَبْدُکَ الْعَاصِیْ اَتَاکَ!
مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاکَ

اے اللہ تیرا گنہگار بندہ حاضر بارگاہ ہے۔ اپنے گناہوں کا اقراری ہے۔ اور تیری بارگاہ میں توبہ کر رہا ہے۔ اسی لئے شاعر نے کہا ہے ؎

ھُوَ الْبُکَّاءُ فِی الْمِحْرَابِ لَیْلاً
ھُوَ الضَّحَّاکُ فِیْ یَوْمِ الضِّرَابِ

یعنی علی شیرِ خدا کی شان یہ ہے۔ کہ وہ مسجد کے نمازی ہیں۔ میدان کے غازی، تخت پر قاضی ہیں ؂

اسی طرح خود سرکار ابد قرار حضور تاجدار کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین میں فرمایا۔ ؎

انا النبیّ لا کذب
انا ابن عبد المطلب

میں جھوٹا نبی نہیں ہوں۔ میں عبد المطلب کا پوتا ہوں۔ غرض کہ کافر کے مقابلہ میں مسلمان کا تکبر عبادت ہے۔ کہ یہ درحقیقت شجاعت کی اصل ہے۔ اور دین اسلامی کی برتری کا ذریعہ۔ اور اگر کوئی بڑا آدمی اپنے کی بڑائی جان کر چھوٹوں کو کچھ حکم دے۔ تو یہ تکبر جائز ہے۔ جیسے بادشاہ رعایا پر استاد شاگردوں پر، پیر مریدوں پر جو برتری ظاہر کرے۔ وہ جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں اپنی شیخی نہ ہو۔ رب تعالیٰ کے کرم کا اظہار ہو۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ انا سید ولد آدم ولا فخر۔ یعنی میں

ساری اولادِ آدم کا سردار ہُوں۔ مگر یہ فخریہ نہیں فرمارہا ہوں۔ یہ دونوں تکبّر منع نہیں ہیں ؛

رہے بُرے تکبّر، اُن کی دو صُورتیں ہیں:۔ ۱:۔ ایک یہ کہ انسان اپنے برابر والوں کو اپنے سے حقیر جانے اور خود کو بڑا سمجھے ؛

۲:۔ دُوسرے یہ کہ اپنے بڑوں کو چھوٹا سمجھے، اپنے کو بڑا۔ اگرچہ یہ دونوں تکبّر بُرے ہیں۔ مگر دُوسرا تکبّر پہلے سے زیادہ بُرا ؛

پھر تکبّر کی دو صُورتیں ہیں۔ اگر انسان دنیاوی مُعاملات میں غرور کرے۔ تو گنہگار ہے۔ لیکن اگر دینی معاملات میں غرور کرے۔ کہ جاہل آدمی علماء کو مشائخ کو، یا پیغمبر کو حقیر سمجھے، تو وُہ کافر ہے ؛

اِس آیت میں یہ ہی تکبّر مراد ہے۔ کہ قوم عاد نے اپنے پیغمبر کو حقیر جانا۔ اور عذاب الٰہی آگیا ؛

اِس تقریر سے معلوم ہُوا۔ کہ ہر تکبّر بُرا نہیں۔ بعض اچھے ہیں اور بعض بُرے۔ اِسی لئے رب تعالیٰ کی صفت بھی متکبر ہے۔ وُہ اِس کا کمال ہے۔ ہم تکبّر کریں۔ تو کبھی یہ گناہ ہے ؛

نوٹ ضرُوری:۔ دنیا میں سب سے افضل پیغمبر ہیں۔ اور پیغمبروں کی جماعت میں سب کے شہنشاہ حضور سید عالم شاہ عرب و عجم حضوُر محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ پیغمبر کی اپنی امت کے جان و مال پر وُہ اختیار ہوتا ہے۔ جو نہ بادشاہ کو رعایا پر ہے، نہ مالک کو مملوک پر، حضور علیہ السلام ہماری جانوں کے بدن کے، مال کے، گھربار کے، اولاد کے، ازواج کے مالک مطلق ہیں۔ اگر حضوُر ہماری بیوی کو ہم پر حرام فرمادیں۔ تو وُہ واقعی حرام ہوگئی۔ اگر ہم کو ہمارے مال و جائیداد سے محروم کردیں۔ تو واقعی ہم فقیر ہوگئے۔

دیکھو حضرت کعب ابن مالک کی بیوی عتاب کے زمانہ میں اُن پر حرام کی گئیں۔ حالانکہ وُہ اُن کی بیوی تھی۔ حضرت زینب بنتِ جحش کو اُن کے بغیر اذن لئے ہوئے حضرت زید ابن حارثہ کے نکاح میں دے دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں دُوسرا نکاح حرام قرار دے دیا۔ بہر حال حضور علیہ السلام ہماری ازواج اجسام اور اموال کے مالک مطلق ہیں۔ وہاں ہماری مرضی کو کچھ دخل نہیں ہے

اگر شہ روز را گوید شب است ایں

بباید گفت اینک ماہ و پروین

جب معمولی حق رکھنے والے بادشاہ پر فقیر نہیں تکبر کر سکتا۔ تو اُمتی پیغمبر پر کس منہ سے برتری کا دعوےٰ کر سکتا ہے۔ اسی لئے قوم عاد ھلاک کر دی گئی۔

یہ بھی خیال رہے۔ کہ بادشاہ اور فقیر عالمِ ارواح، پیدائش اور پرورش وغیرہ میں بالکل یکساں ہیں۔ زندگی میں صرف یہ فرق ہو گیا۔ کہ بادشاہ تخت و تاج کا مالک بن بیٹھا۔ پھر موت میں دونوں برابر۔ اور قیامت کے دن ممکن ہے۔ کہ فقیر بادشاہ سے بڑھ جائے ؛

جب اس قدر برابریاں ہوتے ہُوئے فقیر بادشاہ کی ہمسری کا دم نہیں بھر سکتا۔ تو وُہ شہنشاہِ کونین جو عالمِ ارواح پیدائش پاک، زندگی، وفات قبر و حشر ہر جگہ سب سے اعلیٰ و بالا ہوں۔ اُن سے ہمسری کا دعویٰ عین بے ایمانی ہے۔ پیغمبر ہر جگہ فیض دیتے ہیں۔ اُمتی ہر جگہ فیض لیتے ہیں۔ عالمِ ارواح میں پیغمبروں کی رُوحیں نورانی تھیں۔ اُمتی کی رُوح بے نور تھیں۔ پہلے میثاق کے دن نبی نے بَلیٰ کہا۔ اُن سے سُن کر اُمتی نے ؛

ہم لوگ جاہل، بے عقل، اور روتے ہُوئے پیدا ہوتے ہیں۔ وُہ حضرات

پیدائش پاک کے وقت عارف باللہ، مکمل عقل والے اور سجدہ کرتے پیدا ہوتے ہیں۔ عیسٰی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی اپنی نبوت، رب کی وحدانیت اور نماز وغیرہ کا اعلان فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کرکے امامت کی شفاعت کی دُعائیں کیں۔ زندگی پاک میں اُنھیں معراج ملی۔ اُن کا راج بحر و بر، حجر و شجر، دشت و جبل پر رہا۔ ذرہ ذرہ نے حضور علیہ السلام کا کلمہ پڑھا۔ وفات کے بعد اُن کے نام پر ہمارا خاتمہ ہو تو بیڑا پار ہو۔ غرض ہر جگہ فرق عظیم ہے۔ پھر اُن پر شیخی مارنی حماقت ہے۔ ؎

ادب گاہیست جنت زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

تکبّر کے اسباب:۔

غرور دو طرح کا ہے۔ ایک اصلی، ایک عارضی، عارضی غرور تو متکبرین کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے۔ اصلی غرور ماں باپ کی میراث سے ملتا ہے۔ اگر خاندان بے ادب، گستاخ ہے۔ تو اولاد با ادب نہیں ہو سکتی۔ ماں باپ بے حیا ہیں۔ تو اولاد میں حیا کہاں سے آئے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ؎

بے ادب ماں بادب اولاد جن سکتی نہیں
معدنِ زر معدنِ فولاد بن سکتی نہیں

دوسری جگہ مسلمان عورتوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

چو زہرا باش از مخلوق روپوش
کہ در آغوش شبیرے بہ بینی

اے مسلمان خاتون! تو حضرت زہرا کی طرح گھر میں رہ، باہر آوارہ نہ پھر، تاکہ تیری گود میں امام حسین" رضی اللہ عنہ" جیسے بچے پرورش پاویں۔

مسلمان عورت صرف نمازی بننے کے لئے نہیں بلکہ غازی جننے کے لئے ہے۔ وُہ شمع محفل نہیں - بلکہ چراغ خانہ ہونی چاہیئے۔ ایسی متکبر اور آوارہ بے ادب ماؤں کی اولاد یقیناً بے ادب ہو گی ؛

نوح علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے اپنی قوم کے بارے میں عرض کیا۔ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ۝ اے مولا یہ بے ایمان کفار ہی جنیں گے ؛

تکبر کے علاج :- غرور کو مٹانے والی حقیقتاً صرف ایک چیز ہے۔ وُہ نگاہِ پاک مُصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ کہ اس سے قلب ایسا صاف ہوتا ہے۔ جیساکہ سُورج سے گندی زمین یہ سُورج تو زمین میں دن نکال دیتا ہے۔ مگر حضُور علیہ السلام کی توجہ دلوں میں صبح نمودار کر دیتی ہے - ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ؎

اے رُخ صُبح تو اعصار رود ہور
چشم تو بینندۂ مَا فِی الصُّدُوْر

سُورج تو زمین میں اور رُخ انور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم زمانہ میں دن بناتا ہے۔ اوروں کی نگاہ ظاہر کو دیکھتی ہے - مگر اُن کی نگاہِ دل کے اندر کے حالات مشاہدہ فرماتی ہے۔ درود شریف کی کثرت، اچھوں کی صُحبت حضُور علیہ السلام سے تعلق پیدا کرے گی - اور یہ تعلق ہی دل میں ایمان کی شمع روشن کرے گا۔

جس برخوردار کی پیداوار سینما میں ہو - اور پرورش گندے لوگوں میں اس سے ادب کی اُمید رکھنا فضول ہے ؛

تکبر کے نقصان ادب کے فائدے :- بے ادبی اور تکبر سے عُمر بھر کی عبادتیں برباد ہو جاتی ہیں - ادب کی برکت سے عمر بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں - دیکھو شیطان

لاکھوں سال کا عابد تھا۔ مگر آدم علیہ السلام کی ایک بے ادبی سے سب کچھ برباد ہو گیا ؎

گیا شیطان راند ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

اور فرعون کے جادوگروں سے میدانی مقابلہ میں ایک ادب یہ ہو گیا۔ کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اجازت لے کر جادو کیا۔ اَمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ یہ ادب رب تعالیٰ کو پسند آیا۔ تو انہیں آن کی آن میں مومن، صحابی، صابر اور شہید بنا دیا گیا۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ یعنی جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے۔ وہ خود نہ گرے۔ بلکہ انہیں ہم نے سجدہ میں گرایا۔ اُن کا سر ہماری توفیق کے قبضہ میں تھا۔ اِس لئے وَقَعُوْا نہ فرمایا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش خود ہمہ آفاق زد
ہر چہ آید بر تو از ظلمات وغم
ایں ز بے ادبی و گستاخی ست ہم

حکایت:۔ ایک بزرگ کسی شیخ سے بیعت ہونے کے لئے گئے۔ شیخ نے فرمایا۔ کہ پہلے چالیس دن اُسی جگہ بیٹھ کر چلّہ کرو۔ جو تم سے بدتر ہو۔ اُس نے سوچا۔ کہ سب سے بدتر تو مَیں ہی ہوں۔ اَب چلّہ کہاں کروں۔ آخر فیصلہ کیا۔ کہ کھڈی مجھ سے بدتر ہے۔ کہ وہاں شہر بھر کی گندگی جمع ہوتی ہے۔ اور

وہاں نماز وغیرہ بھی نہیں ہوتی - وہاں جا کر بیٹھا - کھڈی میں سے قدرتی آواز آئی -
حضرت میں تو عمدہ غذا اور پھل فروٹ تھا - صرف چند گھنٹے آپ کے معدہ میں
رہا - آپ کی فیض صحبت سے ایسا راندہ ہوا - کہ یہاں ڈال دیا گیا - اب جو
مجھ پر کرم فرمانے تشریف لائے ہو - کیا مجھے دوزخ میں پہنچاؤ گے ؟

یہ سُن کر یہ شخص رو پڑا - اور شیخ کی خدمت میں عرض کیا - کہ سب
سے بدتر تو مَیں ہُوں - اب چلہ کہاں کروں ؟ فرمایا آؤ مُرید ہو جاؤ - بس یہ ہی
سمجھانا مقصود تھا :

نہ تھی اپنے جو عیبوں کی ہم کو خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو جہاں میں کوئی بُرا نہ رہا

اپنے کو عاجز اور کمزور جاننا یہ ہی تصوّف کی اصل ہے - اور رحمتِ الٰہی کا باعث

قومِ عاد کا دُوسرا عیب شیخی تھا - مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ

شیخی :-

اپنے کو بڑا سمجھنا تکبّر ہے - اور اپنے کو بڑا کہنا شیخی ہے -
تکبّر دل کا کام ہے - اور شیخی زبان کا ، تکبّر جڑ ہے اور
شیخی اِس کی شاخ - یہ بھی بدترین عیب ہے - شیخی والا نہ خدا کو پہچان سکے -
نہ رسول کو ، اور نہ کسی سے فیض لے سکے - کیونکہ اِنسان کی صفاتِ معرفت
الٰہی کا ذریعہ ہے - اپنی کمزوری سے ربّ تعالیٰ کی قوّت ، اپنی گنہگاری سے
اِس کی غفاری ، اپنی سیاہ کاری سے اِس کی ستاری اپنی فنا سے اُس
کی بقاء اپنی محتاجی سے اِس کی غنا اپنی فقیری سے اِس کا حاجت روا ہونا ،

پہچانو - روا ہونا پہچانو - اگر دنیا فقیروں سے خالی ہو جاوے - تو امیروں کی قدر جاتی رہے - غرض کہ رب کی معرفت اپنی بے بضاعتی کے پہچاننے پر موقوف ہے۔ اب جو خود اپنے کو غنی، قوی اور باقی سمجھنے لگے - اسے ربّ تعالیٰ کی معرفت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے - اس لیئے قوم عاد شیخی کے جرم میں ہلاک ہو گئی ؛

خیال رہے - کہ جیسے اپنی کمتری کے بغیر جانے ربّ تعالیٰ کی برتری معلوم نہیں ہو سکتی - ایسے ہی اپنی کمتری سے حضور مصطفیٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان کا پتہ لگتا ہے - شیطان نے شیخی ماری آدم علیہ السّلام کو نہ پہچان سکا - منافقین و کفار نے شیخی ماری - تو مصطفیٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی معرفت سے محروم رہے - جیسے جالا، دھند، موتیا آنکھ کی بیماریاں ہیں۔ جن سے آنکھ صحیح کام نہیں کرتی - ایسے ہی شیخی دل کا وہ مرض ہے - جس سے معرفت میں فرق آ جاتا ہے - مولانا فرماتے ہیں ؎

اشقیا را دیدہ بینا نہ بود
نیک و بد در چشم شاں یکساں نمود

اسی لیئے بڑے اولیاء اللہ بھی اس بارگاہ میں ڈرتے اپنے گناہوں کا دم بھرتے آتے ہیں - خواجہ خواجگان شاہ بہاؤ الحق نقشبندیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصیّت فرمائی - کہ میری میّت کے آگے یہ شعر پڑھا جائے - اور دفن کرتے وقت بھی اسی شعر کی تکرار ہے ؎

مفلسانم آمدہ در کوئے تو
شَیْئًا لِلّٰہ از جمالِ روئے تو

ربّ تعالیٰ فرماتا ہے :- لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اس بیماری کا علاج یہ ہے - کہ انسان اپنے سے بڑوں

کی صحبت اختیار کرے۔ تاکہ اپنی پستی محسوس ہو۔ اور دینی معاملات میں اپنے
سے اعلیٰ لوگوں کے حالات کا مطالعہ کرے۔ تاکہ پتہ لگے۔ کہ مَیں کچھ بھی نہیں ہوں۔
قبرستان جا کر غور کرے۔ کہ بڑے بڑے متکبّرین یہاں عاجز ہو کر پڑے ہیں۔
یہی حال میرا بھی ہونا ہے ۞

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ○

ہم تمہارے دوست ہیں دُنیاوی زندگی میں اور آخرت میں اور آخرت میں تمہارے لئے ہر وہ چیز ہو گی۔ جو تمہارے دل چاہیں۔ اور جس کی تم آرزو کرو۔ مہمانی ہو گی غفور رحیم کی طرف سے ؛

اِس آیت کریمہ میں اللہ کے پیارے بندوں کے مراتب درجات اور اُن کی کامیابیوں کا ذکر ہے۔ اِس آیت میں یہ بھی احتمال ہے۔ کہ یہ ملائکہ کا کلام ہو۔ جیسا کہ اِس سے پچھلی آیت میں تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ خود ربّ تعالیٰ کا فرمان ہو۔ اور اولیاء ولی کی جمع ہے۔ ولی کے معنی ہیں قریب دوست، مددگار، اس لحاظ سے اِس آیت شریفہ کی چھ تفسیریں ہوں گی۔ اور ہر تفسیر پر علیحدہ علیحدہ احکام مستنبط ہوں گے ؛

تفسیر اوّل:۔ یہ ہے۔ کہ جو لوگ دین پر استقامت کریں۔ اُن سے فرشتے کہتے ہیں۔ کہ اے مسلمانو! تم گھبرانا مت، ہم دنیا و آخرت میں تم سے ہر وقت قریب ہیں۔ یہاں نَحْنُ اِس لئے فرمایا ہے۔ کہ اِس سے مُراد سارے فرشتے ہیں۔ خواہ مقربین ہوں یا مدبّراتِ امر، اور خواہ عرش

کے رہنے والے ہوں یا دیگر آسمانوں کے یا زمین کے۔ اب مقصد یہ ہؤا۔ کہ یہ نہ سمجھو۔ کہ تم فرش پر، اور فرشتے عرش پر یا سدرہ پر، اگر تم دین پر قائم رہے۔ تو یہ ساری نورانی جماعت تم سے ہر وقت بہت قریب ہے۔ کیونکہ دُوری اس خاکی جسم کے لیئے ہے۔ نوریوں کے لیئے قرب و بعد سب برابر ہے۔ وہ ہر وقت پر آن کی آن میں تمہارے پاس پہنچ کر تمہاری دستگیری کر سکتے ہیں ؛

ایک بار حضور پُر نور سیّد عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم نے حضرتِ جبرئیل سے دریافت فرمایا۔ کہ تمہاری رفتار کیسی ہے ؟ عرض کیا۔ کہ جب حضرت یُوسف علیہ السّلام کو اُن کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا۔ تو اُنہیں آدھے کنوئیں میں لٹکا کر رسی چھوڑ دی۔ جب یُوسف علیہ السّلام نصف کنوئیں سے تہ کی طرف چلے۔ تو میں، سدرہ سے کنوئیں کی طرف چلا۔ اور اُن سے پہلے پہنچ کر اُن کو اپنے پروں میں لے لیا۔ تاکہ اُنہیں چوٹ نہ آوے ؛

اُسی طرح حضرت اسمٰعیل کے حلق پر چھُری رکھی گئی۔ تو مَیں سدرہ سے اُس قدر جلد آیا۔ کہ چھُری چلنے سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ اور اس ننّھے سے حلق پر اپنا پَر بچھا کر اُنہیں ذبح سے بچا لیا ؛

اِسی طرح جب جنگِ اُحد میں دندان مبارک پر پتھر لگا۔ تو خُون کا قطرہ مبارک منہ سے زمین پر چلا، اور مَیں سدرہ سے فرش پر روانہ ہُوا ۔ قطرے کے زمین پر پہنچنے سے پہلے میں وہاں پہنچ گیا۔ اِس لیئے فرمایا گیا۔ کہ ہم تم سے قریب ہیں ؛

فائِدہ :۔ اُس تفسیر سے فائدہ یہ حاصِل ہؤا۔ کہ نورانی کے لیئے قریب و بعید یکساں ہے۔ دیکھو آصف ابن برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السّلام کے فیضِ صُحبت سے کچھ نُورانیّت حاصل کر لی تھی۔ تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تختِ بلقیس کو یمن سے

شام میں لے آئے۔ حضرت ملک الموت آن کی آن میں ہر جگہ مرنے والوں کی جان قبض کر لیتے ہیں۔ نکیرین بیک وقت ہزارہا جگہ قبر میں سوالات کر لیتے ہیں ؛

جب اُن نوری حضرات کی یہ رفتار ہو۔ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جنہیں ربّ تعالیٰ نے نور فرمایا :۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ اگر آن واحد میں اپنی ساری اُمت کی مدد فرمانے کے لئے اُن کے پاس پہنچ جاویں۔ تو کیا قباحت ہے؟ معراج کی رات براق کا ایک قدم تا حدِ نظر تھا۔ غرض کہ اِس تفسیر سے مسئلہ حاضر ناظر حل ہو گیا ؛

تفسیر دوم :۔ یہ ہے کہ اے مستقل مزاج مسلمانو! گھبرانا مت، ہم تمام فرشتے دنیا و آخرت میں تمہارے مددگار ہیں۔ مومن کے لئے فرشتوں کی مدد کے چند موقعہ خاص ہوتے ہیں۔ دل کی گھبراہٹ کے وقت رحمت کے فرشتے مومن کے دل کو ایسے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ کہ ہر گھبراہٹ دُور ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ غارِ ثور میں جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کو غار کے سر پر کھڑا دیکھ کر گھبرائے تو ربّ تعالیٰ نے اُن پر سکینہ اُتارا۔ جس کا ذکر اِس آیت میں ہے:۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ۝ خاص مصیبتوں میں فرشتے امداد کرتے ہیں۔ جیسے کہ جنگِ بدر میں پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لئے حاضر ہوئے۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے :۔

اِسی طرح ہر آفت کے وقت فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ مرتے وقت کہ اچھی شکل میں آکر یُوں کہتے ہیں :۔ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ اے نیک جان چل اپنے ربّ کی طرف! کہ تو اُس سے راضی وُہ تجھ سے راضی۔ ایسے ہی قبر میں، حشر اور جنّت کے دروازے پر اور خود جنّت میں ہر جگہ فرشتے مومن کی مدد کریں گے۔ جیسا کہ

قرآنی آیتوں اور احادیث سے ثابت ہے۔ حتٰی کہ فرشتے مسلمانوں کی شفاعت بھی کریں گے۔ اور جو مسلمان گنہگار کچھ روز کے لئے دوزخ میں جاویں گے۔ اُن پر وُہ سختی نہ کریں گے۔ جو کفار پر کریں گے۔

فائدہ:۔ اِس تفسیر سے دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ غیر خدا کی امداد برحق ہے۔ اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے خلاف نہیں۔ اِس پر قرآن شریف کی بہت سی آیات اور احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ رب تعالیٰ کے سارے کام فرشتے ہی انجام دیتے ہیں۔ بعض فرشتے بارش برساتے ہیں۔ بعض رحم میں بچے بناتے ہیں۔ بعض جان نکالتے ہیں۔ بعض قبر میں حساب لیتے ہیں۔ بعض عذاب لاتے ہیں۔ اُن کی علیحدہ جماعتیں ہیں۔ اور ہر ایک جماعت کے علیحدہ کام۔ یہ رب تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہیں۔ جب فرشتے مدد کر سکتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے، انبیاء، اولیاء، جو فرشتوں سے افضل ہیں۔ ضرور مدد کر سکتے ہیں۔ لہذا اِس صورت میں مقبولانِ الٰہی سے مدد مانگنا جائز ہے۔

دُوسرا فائدہ:۔ یہ حاصل ہوا۔ کہ فرشتوں کے ذریعہ گبھرایا ہوا دل چین میں آجاتا ہے۔ بے قرار کو قرار دینے کے لئے فرشتے اُترتے ہیں۔ اِسی طرح اللہ کے پیارے بندوں سے قرار آتا ہے۔ بلکہ بزرگوں کے تبرکات بھی قراروں کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ دیکھو جب بنی اسرائیل طالوت کے ساتھ جالوت سے جنگ کرنے چلے۔ تو اُن کے سکُونِ دِل کے لئے تابوت سکینہ بھیجا گیا۔ جس میں مُوسیٰ و ہارُون علیہما السلام کے تبرکات اور دیگر پیغمبروں کی تصویریں تھیں۔ خود فرماتا ہے:۔ فِیْهِ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ۔ الآیۃ

حضرت خالد بن ولید جنگ کے وقت اپنی ٹوپی میں حضُورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بال شریف رکھتے تھے۔ جس سے فتح پاتے

تھے۔ لہٰذا اگر میّت کے ساتھ بزرگوں کے تبرّکات قبر میں رکھ دیئے جاویں تاکہ قبر میں اس کے دل کو چین رہے۔ تو جائز ہے؀

حضرت عمرو بن عاص اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ میرے کفن میں حضور علیہ السلام کے ناخن اور بال شریف رکھ دیئے جاویں۔ خود نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کفن میں اپنا تہبند شریف رکھوایا؀

تیسری ۳ تفسیر:۔ یہ ہے۔ کہ اے مسلمانو! تمہارے ایمان اور استقلال کی وجہ سے تمہارے عزیز و اہلِ قرابت اگر تمہارے دشمن ہو گئے۔ اور سارا جہان تمہارے خلاف ہو گیا۔ تو یہ پرواہ نہ کرو۔ ہم تمام فرشتے دنیا و آخرت میں تمہارے گہرے دوست ہیں۔ انسانوں کی دوستی کافی ہے۔ کیونکہ وُہ فانی ہیں۔ لیکن ہمارے دوستی باقی انسانوں کی دوستی بیکار ہے۔ کہ نہ قبر میں کام آوے نہ حشر میں۔ نہ کسی خاص مصیبت میں۔ مگر ہماری دوستی فائدہ مند ہے۔ کہ ہر جگہ کام آوے گی۔ اگر فانی اور بے کار دوستی کے عوض تمہیں ہماری نافع اور دائمی مل گئی۔ تو تم اس سودے میں گھاٹے میں نہ رہے؀

اس تفسیر کی شرح وہ حدیث ہے۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ جب ربّ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے۔ تو حضرت جبرئیل سے فرماتا ہے۔ کہ تم بھی اس سے محبّت کرو۔ حضرت جبرائیل خود بھی محبّت کرتے ہیں۔ اور تمام آسمانوں میں اعلان فرماتے ہیں۔ کہ فلاں بندے سے ربّ محبّت فرماتا ہے۔ سارے آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر دُنیا والوں کے دلوں میں اُس کی محبّت ڈال دی جاتی ہے۔ جس سے مخلوق کے دل خودبخود اس کی طرف کھنچے لگتے ہیں۔ اسی طرح آیت کریمہ میں اشارہ ہے:۔ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ

وُدًّا ۵ یعنی رب تعالیٰ اُن کی محبت دلوں میں ڈال دیتا ہے ؛

دیکھو بعض اولیاء اللہ جیسے حضور خواجہ اجمیری یا سرکارِ بغداد یا خواجہ نقشبند قدس سترہم کہ لوگوں نے اگرچہ اُن حضرات کی زیارت نہ کی۔ مگر خود بخود لوگ اُن کی طرف کھیچ رہے ہیں۔ مگر نا سمجھ مخلوق بھی اللہ کے پیاروں سے محبت کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فراق میں لکڑیاں روتی ہیں۔ کنکروں نے کلمہ پڑھا ہے۔ جانوروں نے سجدہ کیا۔ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک کا ذرہ ذرہ، پتہ پتہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اور قیامت میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے ؛ ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

فائدہ :- اس تفسیر کا فائدہ یہ ہے۔ کہ ایمان والوں کی دوستی و محبت ولی اللہ ہونے کی علامت ہے۔ جس سے مسلمان ولی اللہ جانیں۔ وُہ واقعی اللہ کا ولی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ ؕ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ بلکہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں۔ وُہ بھی اچھا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا :۔ مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ ۵ جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں۔ وُہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے :۔

یہ تینوں تفسیریں اُس صورت میں تھیں۔ جب کہ یہ فرشتوں کا کلام ہو۔ لیکن یہ ربّ تعالیٰ کا اپنا فرمان ہو۔ تب بھی یہ ہی تین تفسیریں ہوں گی۔ اب مطلب یہ ہو گا۔ کہ اے مسلمانو! تم دین پر استقامت اختیار کرو۔ کسی کے بہکانے سے بہک نہ جاؤ۔ کیونکہ تمہارے حقیقی دوست صرف ہم ہی ہیں۔ باقی

سب جھوٹے دوست ہیں۔ جھوٹے یاروں کی خاطر اپنے سچے محبوب کو ناراض نہ کرو۔ ؛

خیال رہے۔ کہ دُنیا والوں کی دوستی خود غرضی پر ہے۔ اور ربّ تعالیٰ کی دوستی بلا غرض، کیونکہ دنیا میں سب سے بڑی دوست ماں ہے۔ مگر اُسے بھی اولاد سے بہت سی تمنائیں ہوتی ہیں۔ کہ میرے بڑھاپے کا سہارا ہو۔ یہ کسی میں کام آوے۔ اسی لئے ماں باپ لڑکا پیدا ہونے پر خوش ہوتے ہیں۔ اور لڑکی کی پیدائش پر غمگین۔ کیونکہ لڑکے سے لینے کی اُمید ہے اور لڑکی کو دینے کی جگہ ہے۔ مال دار بیٹے کی قدر کرتے ہیں۔ اور غریب فرزند کی ناقدری۔ جب ماں کی محبت غرض سے خالی نہیں۔ تو دیگر دوستوں کا کیا پُوچھنا ہے۔ ہاں رب تعالیٰ کی محبت ایسی ہے۔ کہ ہر جگہ ہم کو پالیتا ہے۔ مگر بغیر کسی غرض کے۔ لہٰذا اس کی دوستی سچی ہے باقی جھُوٹی ؛

یہاں یہ بھی خیال رہے۔ کہ دنیاوی مال عطا فرمانا ربّ تعالیٰ کی دوستی کی علامت نہیں۔ بلکہ اس کی ربوبیت کا ظہور ہے۔ اسی لئے مال کفار اور بدکاروں کو بھی مل جاتا ہے۔ ربّ تعالیٰ کی دوستی کی علامت ایمان، عرفان توفیق خیر کی عطا ہے۔ اور چونکہ اس کی دوستی کی بندوں کے ساتھ یکساں نہیں۔ کسی کو صرف ایمان دیا، کسی کو عرفان بھی دیا۔ کسی کو اپنا قرب دیا۔ کسی کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ پھر وہ انبیاء میں کوئی خلیل ہے۔ کوئی کلیم اور کوئی سیّدالمرسلین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم۔ غرض کہ نَحۡنُ اَوۡلِیَآؤُکُمۡ میں بڑی وُسعت ہے ؛

یہ بھی خیال رہے۔ کہ یہاں نَحۡنُ اور اَوۡلِیَآءُ جمع لانے میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ ہم اور ہمارے سارے نبی اور ہمارے سارے نیک بندے تمہارے دوست ہیں۔ یا ہم اپنی ذات اور ساری کرم کی صفات کے ساتھ تمہارے

دوست ہیں۔ اور جب ہم دوست بن گئے۔ تو کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا ؎
یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اے مسلمانو! ہم تم سے بہت قریب ہیں اس صورت میں قرب سے مراد مکانی قرب نہ ہو گا۔ بلکہ رحمت اور کرم کا قرب ہو گا۔ یعنی اگر تم استقامت اختیار کرو۔ تو ہمارا کرم ہماری رحمت تم سے ہر جگہ قریب ہے۔ اس کی تفسیر یہ آیت کر رہی ہے :۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

کفار سے عذاب الٰہی قریب ہے۔ رحمتِ الٰہی دور۔ اسی لیئے ارشاد ہوا۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۝ جب میرے بندے آپ سے مجھے دریافت کریں۔ تو مَیں قریب ہوں۔ یعنی آپ کے درباری آکر مجھے تلاش کریں۔ تو میں اُن سے قریب ہوں۔ مجھے جلد پالیں گے۔ بلکہ میں خود اُن سے ملوں گا۔ لیکن آپ کے دربار سے دُور رہ کر خواہ مسجدوں میں یا خانہ کعبہ میں یا اور جگہ مجھے ڈھونڈیں۔ تب تو میں اُن سے دُور ہی ہوں ؎

چوتھی تفسیر :۔ یہ ہے۔ کہ اے مسلمانو! دنیا و آخرت میں تمہارے مددگار ہم ہی ہیں۔ کسی میں طاقت نہیں۔ کہ ہماری رضا کے بغیر تمہاری امداد کرے۔ حقیقی حاجت روا ہم ہی ہیں۔ اگر کوئی امداد کرتا ہے۔ تو ہمارے ارادے سے کرتا ہے۔ ہم دلواتے ہیں۔ تو کوئی دیتا ہے۔ ہم کھلواتے ہیں۔ تو کوئی کھلاتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ تو کوئی تمہیں چاہتا ہے ؎ ؎

نہ کس می دھاند نہ کس می دھد
خدا مے دھاند خدا مے دھد

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ یہاں لَكُمْ میں لام ملکیت کا ہے یعنی جنت میں تم ہر اُس چیز کے دائمی مالک ہو گے۔ جو تم چاہو۔ بخلاف دُنیا

کے یہاں بہت سی باتیں تمہاری خواہش کے خلاف بھی ہوتی ہیں۔ اور یہاں کی چیزیں تمہاری دائمی ملک نہیں۔ بلکہ اُن سے کچھ دن نفع اُٹھا لو۔ پھر چھوڑ کر چل دو۔ فرماتا ہے۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ط دُنیا کو متاع فرمایا۔ متاع وُہ ہے۔ جس سے نفع اُٹھا کر چھوڑ دیا جاوے۔ اور ساتھ ہی قلیل بھی فرما کر اس کی اور بھی تحقیر فرما دی ؛

خیال رہے۔ کہ ربّ تعالیٰ اگرچہ مُسلمانوں کا دُنیا و آخرت ہر جگہ دوست ہے۔ مگر دُنیا میں اُن کی ہر خواہش پُوری نہیں فرماتا۔ اور آخرت میں ہر تمنّا ہر آرزو پُوری فرمائے گا۔ بلکہ آرزُو سے بڑھ کر دے گا ؛

اُس کی تین وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ ربّ تعالیٰ مُسلمانوں کا دوست ہے۔ اور مُسلمان رب تعالیٰ کے دوست تو چاہیئے۔ کہ ہم اِس کی مانیں۔ وُہ ہماری، لہذا دُنیا میں ہم پر لازم ہے۔ کہ اِس کی ہر بات مانیں، اور آخرت میں وُہ ہماری بات مانے گا ؛

دُوسرے یہ کہ دنیا تربیّت کی جگہ ہے۔ اور آخرت جزاء کی جگہ۔ یہاں ہماری ہر بات ماننا ہمارے لیئے نقصان دِہ ہوگا۔ جیسے مہربان باپ تربیّت کے زمانہ میں بیٹے کی ہر بات نہیں مانتا۔ اور تربیّت کے بعد اِس کی خواہش پُوری کرتا ہے۔ بخلاف ماں کے کہ وُہ ہر وقت فرزند کی نازبرداری کرنا پسند کرتی ہے۔ لہذا ماں کی محبت نقصان دِہ ہے۔ اور باپ کی محبّت فائدہ مند اِسی لئے حق پرورش باپ کو ہے نہ کہ ماں کو ؛

تیسرے اِس لئے کہ دنیا میں ہمارے پاس دل بھی ہے۔ اور نفس امارہ بھی۔ دل تو اچھّی خواہش کرتا ہے۔ مگر نفس بُری خواہشات بھی کر لیتا ہے۔ اور آخرت میں ہمارا نفس یا تو فنا کر دیا جائے گا۔ یا اُس کی اصلاح کر دی جائے گی۔

لہذا وہاں اچھی خواہشیں ہی ہوں گی ۔ بُری ہوں گی ہی نہیں ۔ غرض کہ دنیا میں مصیبتوں کا آنا بھی رب کی دوستی کی بنا پر ہے ۔ اور آخرت میں ہر طرح آرام ہونا بھی اس کی دوستی کا ظہور ہے ؕ

حکایت :۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کسی جگہ سے گزر رہے تھے ۔ ملاحظہ فرمایا ۔ ایک بچہ کیچڑ میں گر گیا ہے ۔ اور اس کے کپڑے و جسم لتھڑ گئے ہیں ۔ لوگ دیکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں ۔ کوئی پرواہ بھی نہیں کرتا ۔ کہیں دُور سے ماں نے دیکھا ۔ دوڑتی ہوئی آئی ۔ دو تھپڑ بچّہ کے لگائے ۔ کپڑے اُتار کر دھوئے ۔ اُسے غسل دیا ۔ حضرت کو یہ دیکھ کر وجد آ گیا ۔ اور فرمایا ۔ کہ یہ ہی حال ہمارا اور رحمتِ الٰہی کا ہے ۔ ہم گناہوں کے دل دل میں لتھڑ جاتے ہیں ۔ کسی کو کیا پرواہ ، مگر رحمتِ الٰہی کا دریا جوش میں آتا ہے ۔ ہم کو مصیبتوں کے ذریعہ دُرست کیا جاتا ہے ۔ اور توبہ و عبادات کے پانی سے غسل دے کر صاف فرماتا ہے ؕ

حکایت :۔ کسی نے سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا ۔ کہ فلاں مجذوب کہہ رہا ہے ۔ کہ ہم اس دریا میں غوطہ لگا رہے ہیں ۔ جس کے کنارہ پر انبیائے کرام کھڑے ہیں ۔ آیا وہ کافر ہے یا مُسلمان ؟ وہ سمجھے تھے ۔ کہ اس دریا سے معرفتِ الٰہی کا دریا مراد ہے ۔ اور یہ مجذوب اپنے کو انبیاء سے افضل کہہ رہا ہے ۔ لہذا کافر ہے ۔ آپ رو پڑے اور فرمایا ۔ کہ وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں ۔ وہ دریا گناہوں کا ہے ۔ انبیائے کرام کنارہ پر ہماری دستگیری کے لئے کھڑے ہیں ۔ اگر اُن کی امداد شاملِ حال نہ ہو ۔ تو ہم اُسی دریا میں ہلاک ہو جاویں ۔ مولانا عطار نے منطق الطیر میں کیا خوب فرمایا ؕ ؎

غلق ترسد از من ترسم نہ خود
کز تو نیکی دیدہ ام وز خویش بدا

اے مولا! مخلوق تجھ سے ڈرتی ہے۔ مگر میں اپنے سے ڈرتا ہوں۔ کیوں کہ تو نے ہمیشہ مجھ پر کرم فرمایا۔ میں نے بُرائیاں کیں۔ غرض کہ رب تعالیٰ واقعی مسلمانوں کا دنیا و آخرت میں دوست ہے۔ مگر دنیا میں دوستی کا ظہور اور طرح ہے آخرت میں دوسری طرح ؛

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۔ یہ بھی اس دوستی کا ظہور ہے۔ فرمایا گیا۔ کہ جنت تمہارے لئے رب کی طرف سے مہمان خانہ ہے ؛

خیال رہے۔ لَکُمْ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنت تمہارے لئے رب کی طرف سے ملکیت ہوگی۔ مگر نُزُلًا سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہاں مہمان ہوں گے۔ اور مہمان میزبان کے گھر بار کا مالک نہیں ہوتا ؛

اس میں نہایت لطیف نکتہ یہ ہے۔ کہ قبضہ کے لحاظ سے جنتی جنت کے مالک ہوں گے۔ مگر خاطر و تواضع کے لئے مہمان۔ یعنی اُن کی تواضع و خاطر ایسی شاندار کی جاوے گی۔ یہ جیسے مہمان کی ہوتی ہے۔ کہ ہر میزبان اپنے معززہ مہمان کی تواضع میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ ہم بھی تمہاری خاطر میں کوئی کمی نہ کریں گے۔ یہ سمجھ لو۔ کہ غفور رحیم کی مہمان داری کیسی ہوگی ؛

نیز میزبان مہمان پر ناراض نہیں ہوتا۔ ہم وہاں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گے۔ نیز میزبان مہمان سے ضرور بات چیت بھی کرتا ہے۔ ہم بھی تمہیں وہاں اپنا دیدار دکھائیں گے۔ اور تم سے کلام فرمائیں گے۔ نیز مہمان کی خاطر کا معاوضہ نہیں لیا جاتا۔ ہم تم سے اُن خاطروں کا معاوضہ طلب نہ کریں گے۔ یہ اعمال صالحہ تو رب تعالیٰ کی مہمانی کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے

ہیں - اور وہاں کی نعمتیں محض ربّ تعالیٰ کا عطیہ ہیں - اسی لیئے حدیث میں ارشاد ہوُا - کہ کوئی اپنے اعمال سے نہیں بخشا جائے گا - محض فضلِ الٰہی سے بخشش ہو گی ؛

اِعمال اِس فعل کے حاصل کرنے کا ظاہری ذریعہ ہیں - یہ ہی مطلب ہے - اِس آیت کا - جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۵

اللہ تعالیٰ ہمارا ایمان پر خاتمہ نصیب کرے ؛ آمین ثم آمین ؛

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ:- اُن کی نشانیوں سے کہ دیکھتے ہو تم زمین کو خشک۔ پس جب ہم اُس پر پانی اُتارتے ہیں۔ تو جنبش کرتی اور پھولتی بڑھتی ہے۔ بلاشبہ جس نے اُسے زندہ کیا۔ وُہ ہی مُردے زندہ کرنے والا ہے۔ بے شک وُہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

اس آیت کریمہ میں ان کفّار کا رد ہے جو خالق کے سوا زمین یا زمان کو پوجتے تھے اور قیامت کے منکر تھے۔ اس جگہ تین اُمور بحث کے لائق ہیں۔ ایک یہ کہ کفّار نے زمین و زمان میں کیا دیکھا تھا۔ جو ان کی پوجا کرتے تھے۔ دُوسرے یہ کہ قرآن حکیم نے ان کے خیالِ باطل کی تردید کس پیرایہ میں کی۔ تیسرے یہ صوفیائے کرام نے اس آیتِ کریمہ میں کیا نکات بیان فرمائے۔

(۱) کفّار ہر اُس چیز کے سامنے سر جھکا دیتے تھے۔ جو یا تو عجیب و غریب ہو یا طاقت ور ہو یا اِس کی ضرُورت در پیش آتی رہتی ہو۔ اُنہوں نے زمانہ کی طاقت دیکھی۔ کہ زمانہ عالم میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ دن سب کو جگا دیتا ہے۔ رات سب کو سُلا دیتی ہے۔ یہ ہی رات دن عمُریں ختم کر دیتے ہیں۔ جوان کو بوڑھا، زندہ کو مُردہ، بادشاہ کو گدا اور گدا کو بادشاہ کر دیتے ہیں۔ مضبوط محلوں کو ڈھا دیتے ہیں۔ لہذا وُہ چاند، سُورج، دن رات کے پُوجاری بن گئے ۔

کیونکہ زمانہ اور موسم اور فصلیں اُسی سے بنتی ہیں۔ اور غلّے وغیرہ

کی پیداوار اُسی پر موقوف ہے۔ اِس کی تردید پچھلی آئیت میں کی گئی۔ اور زمین میں اُنہوں نے یہ وصف دیکھا۔ کہ ہم سب کی ابتداء بھی زمین سے ہے۔ اور بقاء بھی زمین سے اور انتہا بھی زمین پر ہے۔ کہ عالم فاضل، شاہ و گدا اِسی سے پیدا ہوئے۔ اِسی کی پیداوار کھا کر جیتے ہیں۔ اِسی میں دفن ہو جاتے ہیں۔ لہذا وُہ زمین کے پجاری ہو گئے۔ کہ پتھروں، درختوں، گھاس پھُوس بلکہ غلّہ کو پُوجنے لگے۔ اِس آیت میں اُن کے اُس وہم کی تردید ہے۔ ؎

(۲) اُن دونوں آئیتوں کا منشاء یہ ہے۔ کہ اے کافرو! تم نے تصویر کا ایک رُخ دیکھا۔ دُوسرا نہ دیکھا۔ جس سے زمین و زمان، مکین و مکان کی مجبوری و مقہوری معلوم ہو۔ رات و دن واقعی دُنیا پر راج کر رہے ہیں۔ مگر یہ تو خیال کرو۔ کہ اُن میں سے کوئی بھی ٹھہرتا نہیں۔ آگے پیچھے بھاگتے چلے جا رہے ہیں۔ پھر گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ پھر کبھی ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ کبھی گرم، غرضکہ کسی دُوسری طاقت کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں ؎

اِسی طرح چاند، سُورج کا ایک حال نہیں۔ دن میں تین پلٹے کھاتا ہے۔ صُبح کو ٹھنڈا، دوپہر کو گرم، پھر شام کو ٹھنڈا، ذرا سا بادل آ جائے۔ تو اُس کی شعاع روک لے۔ گرہن لگ جاوے۔ تو بے نُور ہو کر رہ جائے۔ پھر ایک منٹ کے لئے آرام نہ کر سکے۔ ہر وقت حیران و سرگردان بھاگا پھرتا ہے۔ اُس سے پتہ لگا۔ کہ اُن سب کی دوڑ کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے دستِ قدرت میں اُن کی دوڑ ہے۔ اور جس کے حکم پر سب پھر رہے ہیں۔ وُہ اللہ واحد قہار ہے۔ وُہ ہی لائقِ عبادت ہے ؎

گرچہ تیر از کمان ہمی گذرد
از کمان دار بیند اہلِ خرد

اسی طرح زمین کا دُوسرا رُخ دیکھ کر یہ بھی قدرت کے ہاتھ میں کیسی بےبس ہے۔ بعض زمین پانی میں غرق ہے۔ بعض کھلی ہوئی ہے۔ کھلی زمین میں غرق ہونے کی قدرت نہیں۔ اور غرق زمین میں کھلنے کی طاقت نہیں۔ پھر کھلی زمین بعض بنجر ہے۔ بعض آباد۔ بنجر میں آبادی کی قدرت نہیں۔ آباد میں بنجر بننے کی قوت نہیں، پھر آباد زمین میں قابلیت مختلف، پنجاب کی زمین میں گندم، مالٹا وغیرہ پیدا کرنے کی زیادہ طاقت ہے۔ کشمیر کی زمین میں زعفران، انناس پھل، فروٹ پیدا کرنے کی زیادہ طاقت ہے۔ بنگال، آسام کی زمین میں سابودانہ چاول، چھالیہ، پان وغیرہ اگانے کی زیادہ قابلیت ہے۔ غرض کہ قدرت نے جس حصّہ میں جو طاقت ودیعت رکھ دی ہے۔ اس میں تبدیلی ناممکن ہے۔

پھر ہر زمین موسم کی محتاج ہے۔ سردی میں گندم نہیں اُگا سکتی۔ اور گرمی میں باجرہ پیدا نہیں کر سکتی۔ پھر زمین ہر وقت بارش اور دُھوپ کی محتاج ہے۔ اگر وقت پر بارش آجاوے اور صحیح وقت پر دھوپ مل جاوے۔ تو پیداوار ٹھیک ہے۔ ورنہ سب برباد۔

یہ تو زمین کا ظاہری حال تھا۔ اب باطن کو دیکھو، تو کہیں زمین میں تیل کے چشمے ہیں۔ کہیں پانی کے چشمے، کہیں سونے کی کان ہے۔ تو کہیں کوئلہ کی، جہاں قدرت کے فیاض ہاتھوں نے جو چیز پیدا کر دی ہے۔ وُہ ہی نکلے گی۔ دُوسری چیز نہیں نکل سکتی۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ زمین اور زمین والے بندۂ مجبور ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ تم دن رات دیکھتے رہتے ہو۔ کہ زمین سُوکھی زبان سے بزبانِ حال ہم سے بارش کی دُعائیں مانگتی ہے۔ جب ہم اپنی رحمت سے بارش برساتے ہیں۔ تب اُس میں حرکت اور سبزہ پیدا

ہوتا ہے۔ حرکت سے مراد ہے حالت بدلنا اور بغیر بارش کے پانی کے کنوئیں، تالاب اور نہر کا پانی بے کار ہوتا ہے۔ کیونکہ بغیر غسل کے فقط پاؤں دھونا محض بیکار ہے ۔

جب تمہیں معلوم ہو چکا۔ کہ زمین محض مجبور ہے۔ تو تم اُس کی عبادت کرو۔ جس کی یہ چیزیں حاجت مند ہیں۔ اور وُہ رب ہے۔ اور اُسی خشکی و تری سے قیامت کا پتہ لگا لو۔ کہ جو زمین کی سُوکھی مٹی میں پانی کے ذریعہ جان ڈال سکتا ہے۔ وُہ سُوکھی ہڈیوں میں گلنے کے بعد صُور کی پھونک کے ذریعہ جان ڈال سکتا ہے ۔

یہ تفسیر عالمانہ ہے۔ اِس تفسیر سے چند فائدے حاصل ہُوئے۔ ایک یہ کہ جس چیز کی پیدائش کا مقصد پُورا ہو۔ وُہ زندہ ہے جس کا مقصد حیات ختم ہو جاوے۔ وُہ مردہ دیکھو۔ اُس آیت میں خشک زمین کو مُردہ اور تر زمین کو زندہ فرمایا گیا۔ کیونکہ تر زمین سے پیداوار ہوتی ہے۔ جو زمین کی پیدائش کا مقصد ہے ۔

اِسی طرح مُسلمان زندہ ہے۔ اور کافر مُردہ۔ شہید کو قرآن زندہ فرماتا ہے اور زندہ کافروں کو مُردہ ۔

دُوسرے یہ کہ دُنیا اور دُنیا کی تمام چیزیں معرفتِ الٰہی کا دفتر ہے جو اُس کے ذریعہ رب تعالیٰ کو پہچان سکے۔ وُہ کامیاب ہے۔ اور جو اِس میں پھنس کر رہ جائے وُہ ناکام ہے۔ سہ

جہاں مرآتِ حسن شاہد اوست
نَشَاهد وجهه فی کل ذرات

دُنیا جمالِ یار کے مشاہدہ کرنے کا آئینہ ہے۔ اِس کے ہر ذرّہ میں اُسے دیکھو۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

تفسیرِ صوفیانہ:- یہ ہے۔ کہ اہلِ دنیا کے دل گویا رب تعالیٰ کی زمین ہے۔ آقائے دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم رحمت کا سمندر، جس طرح سمندر سے بادل برس کر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ ایسے ہی اُس بحرِ رحمت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ہدائیت کے بادل علماء اور صوفیاء کی شکل میں بن کر اُس اُمّت کے کھیت پر برستے ہیں۔ پھر جیسے زمین بعض بنجر یعنی ناقابل پیداوار ہوتی ہے۔ اور بعض اچھی۔ ایسے ہی کفار کے دل بنجر زمین ہے۔ اور مسلمانوں کے دل اچھی زمین۔ کفار اِس ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں پاتے۔ پھر جیسے کہ اچھی زمین میں سے بعض آم پیدا کرتی ہے اور بعض زعفران اور ایسے ہی مومنوں کے دل مختلف درجے رکھتے ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلبِ مبارک میں اُس بارش سے جو پیدا ہوا۔ وہ کچھ اور تھا۔ اور فاروقِ اعظم، عثمانِ غنی اور حیدرِ کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قلوب میں جو پیدا ہوا۔ وہ کچھ اور۔ اور گناہگار مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوا۔ وہ کچھ اور ہے۔

جیسے کشمیر کی زمین پنجاب کی زمین کے مثل نہیں۔ اگرچہ شکل میں یکساں ہیں۔ ایسے ہی ہم گنہگار صحابہ کرام کی مثل نہیں۔ اگرچہ شکل و شباہت یکساں معلوم ہوتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے:-

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ۝ اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی مثل نہیں۔

پھر جیسے کہ ایک ہی سمندر سے بادل بنتا ہے۔ مگر کوئی گھٹا پورب کی

طرف سے آتی ہے۔ کوئی پچھم کی طرف سے، کوئی جنوب سے، کوئی شمال سے، اسی طرح اگرچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بحرِ رحمت ہے۔ مگر اُس سے جو رحمت کی گھٹا بنتی ہے۔ تو کوئی بغداد کے راستہ سے آتی ہے۔ جسے قادری کہتے ہیں۔ کوئی اجمیر کے راستے، کوئی بخارا کی راہ سے، کوئی سہرورد کی راہ سے جسے چشتی، نقشبندی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ غرض کہ اُن رحمت کی گھٹاؤں کے نام مختلف ہیں۔ مگر سب اسی ایک سمندر سے بنے ہیں۔ اور سب کا کام ایک ہی ہے ؃

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے پہلے کعبہ و عرفات میں سب کچھ تھا۔ مگر درحقیقت کچھ نہ تھا۔ سب میں بُت پرستی تھی۔ گویا یہ خشک زمین تھی۔ جو رحمتِ الٰہی کو مانگ رہی تھی۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے۔ تمام چیزیں ہری بھری ہوگئیں۔ وہاں عبادات، ریاضات کے پھل لگ گئے ؃

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ (ط۔ پ ۲۵۔ ع ۱) ؕ

ترجمہ:۔ شتاب دکھائیں گے۔ ہم اُنہیں اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور اُن کی راتوں میں یہاں تک کہ انہیں کھل جاوے گا۔ کہ وہ حق ہے ؃

اِس آیتِ کریمہ میں حقانیتِ اسلام یا حقانیتِ قرآن یا حقانیتِ صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زبردست دلائل ارشاد ہوئے۔ مقصود یہ ہے کہ

ہم دنیا جہان میں بلکہ اُن کی ذاتوں میں ایسے ایسے نشانِ قدرت دکھائیں گے۔ جن سے اُن کے دل حقانیتِ اسلام ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور دین اسلام کی سچائی روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاوے گی ؎

اس آیت کی چار تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ تین عالمانہ اور ایک صوفیانہ و عاشقانہ اور ہر تفسیر کے ماتحت علیحدہ فوائد ہیں:۔

ایک تفسیر یہ ہے۔ کہ ہم دنیا والوں کو اپنی قدوسیت تا قدرت و علم کی کھلی نشانیاں دنیا اور اُن کے نفسوں میں اس طرح ظاہر کریں گے۔ کہ وہ ہماری حقانیت ماننے پر مجبور ہو جاویں ؎

دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ ہم قرآن کریم کی حقانیت کی ایسی کھلی نشانیاں عالم میں بھی اور اُن کے نفوس میں بھی دکھائیں گے۔ جس سے پتہ لگ جاوے۔ کہ قرآن حق ہے ؎

تیسری یہ کہ ہم اپنے محبوب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی حقانیت کی ایسی روشن دلیلیں عالم میں بلکہ خود اُن میں ایسی ظاہر کریں گے۔ کہ اُن کے دل گواہی دینے لگیں گے۔ کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سچے پیغمبر ہیں ؎

۱۔: اگر اُن آیات سے مُراد اپنی قدرت کی نشانیاں ہوں۔ تو نوی میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ آگے زمانہ میں ایسی چیزیں پیدا فرمائیں گے۔ جو آج اُن کی عقل میں نہیں آرہی ہیں۔ اُن کی تفسیر وہ آیت ہے۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ط رب تعالیٰ ایسی سواریاں پیدا فرمائے۔ جو ابھی تمہارے علم تو کیا وہم و گمان میں نہیں۔ چنانچہ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، بجلی، ریڈیو، ایٹم بم یہ تمام ایجادات اس آیت کریمہ کی چلتی پھرتی تفسیریں ہیں۔ بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے تو ایسی ایجادات کی خبر دی ہے۔ جو ابھی تک ظہور میں نہ آئیں ؁

فرمایا اِنسان کی ران بلکہ اِس کے جوُتہ کا تسمہ اُس سے کلام کرے گا۔ گھر کی دیواریں بتائیں گی۔ کہ تیرے پیچھے تیری بیوی بچوّں نے یہ کیا دجال مُردے زندہ کرے گا۔ وغیرہ۔ غرض کہ اِس آئیت کی تفسیر بہت کچھ ظاہر ہو چکی۔ اور کچھ ظاہر ہو جاتی ہے ؁

یا یہ مطلب ہے۔ کہ اُن ہی موجُودہ چیزوں میں سے وُہ کرشمہ ظاہر فرماویں گے۔ کہ مخلوق حیران رہ جائے گی۔ دیکھو ہوا، پانی، دھُواں، سوُرج، آگ، بھاپ یہ تمام چیزیں ہمیشہ سے دنیا میں موجود ہیں۔ مگر اُن کی اندرونی طاقتوں کا پتہ مخلوق کو نہ تھا۔ سائنس کی ایجاد سے پتہ لگا۔ کہ بھاپ، انجن اور ریل کھینچ سکتی ہے۔ پانی سے بجلی اور سوُرج کی شعاعوں سے ایٹم بم بن سکتا ہے۔ ابھی یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کہ ہم کو تمام چیزوں کی پوُری حقیقت معلوُم ہو گئی۔ ممکن ہے۔ اُن ہی چیزوں سے ابھی اور بھی کرشمے ظاہر ہوں گے۔ بلکہ روز بروز ظاہر ہو رہے ہیں ؁

یا یہ مطلب ہے۔ کہ اگرچہ ہماری آیتیں موجود ہیں۔ مگر اُن لوگوں کو اُن میں غور و فکر کی توفیق نہیں ملی۔ عنقریب اُنہیں اُن چیزوں میں فکر کرنے کی توفیق دیں گے۔ جب یہ غور کریں گے۔ تو پتہ لگے گا۔ کہ ؎

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

لوگ اچھے واعظ تلاش کرتے ہیں۔ اگر خُدا تعالیٰ نظرِ عبرت نصیب کرے۔ تو زمین کا ہر ذرّہ اور کھیت کا ہر پتہ بہترین واعظ ہے۔ یہ تو فِی الْاٰفَاقِ کی تفسیر ہے ؁

اب فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ پر غور کرو۔ تو معلوُم ہو گا۔ کہ ہمارا رونگٹا رونگٹا ربّ تعالیٰ

کی ہئیت ہے۔ اگر کبھی ہم یہ سوچیں۔ کہ ہم کون ہیں۔ کہاں سے آئے۔ یہ کون بول رہا ہے۔ اور مرتے وقت کون پرندہ اُس قفس میں سے نِکل جاتا ہے۔ تو ہم پاگل ہی ہو جاویں ؂

امام رازی فرماتے ہیں۔ کہ مَیں حیرت کرتا ہوں۔ کہ اگر بچے کے منہ اور ناک پر روئی رکھ دو۔ تو وُہ مر جائے۔ مگر ماں کے پیٹ میں اِتنے غلافوں میں ہوتے ہوئے کئی ماہ تک زندہ رہتا ہے۔ مُرغی کا بچّہ انڈے کے اندر کئی دن تک زندہ رہتا ہے۔ بولتا ہے۔ حالانکہ نہ وہاں ہوا ہے۔ نہ دانہ پانی، غرض کہ وُہ رب زندہ رکھنے میں ہوا، پانی وغیرہ کا حاجت مند نہیں۔ اور جب موت آ جاوے۔ تو تمام چیزیں پانی اور ہوا وغیرہ موجود ہوتے ہوئے انسان چل دیتا ہے شیخ سعدی رحؒ نے فرمایا:۔ ع

کہ کرد است بر آب کاری گری

یعنی تمام مصوّرین کاغذ، مٹی اور پتھر پر اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ کہ اُن پر تصویریں بناتے ہیں۔ مگر آج تک کسی کاریگر نے پانی پر فوٹو نہیں کھینچا۔ رب تعالیٰ کی قدرت پر قربان جاؤں۔ کہ اُس نے ایک قطرہ پانی یعنی منی پر لاکھوں کروڑوں فوٹو کھینچ دیئے ؂

حکایت:۔ کسی نے امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا۔ کہ شطرنج کے موجد کا کمال تو دیکھو کہ ایک چھوٹے سے کپڑے پر ایسا طریقہ بنایا ہے۔ کہ لاکھوں پر شطرنج کھیلو۔ مگر ہر بار نئی چال ہوتی ہے۔ سوا گز کے ٹکڑے میں لاکھوں شطرنج کی چالیں بھر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میرے ربّ کا کمال تو دیکھو۔ کہ چہرے کے بالشت بھر ٹکڑے پر لاکھوں کروڑوں نقشے اِس طرح کھینچے ہیں۔ کہ ایک دُوسرے سے ممتاز اور علیحدہ ہے ؂

غرض کہ اطرافِ عالم اور انسان کی ایجادات، نشاناتِ قدرت بے شمار ہیں۔ جو ہمیشہ ظاہر ہوتے رہیں گے ؀

دُوسری تفسیر: کی بنا پر معنی یہ ہوں گے۔ کہ قرآن کی حقانیت کے دلائل آفاق عالم میں اور خود اُن کے نفسوں میں ہم دکھائیں گے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ قرآن کے اندر ایسی ایسی صفات ہیں۔ جو ہمیشہ ظاہر ہوتی رہیں گی۔ مثلاً قرآن کی خبریں دیکھو۔ فصحاءِ عرب کو للکار کر فرمایا۔ کہ تم ایک آیت قرآن جیسی نہ بنا سکو گے۔ ایسا ہی ہوا۔ کہ سارے چوٹی کے فصیح و بلیغ نے جمع ہو کر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مقابلہ کرنا چاہا۔ مگر نہ کر سکے:۔ ؎

تیرے آگے یُوں ہی لپے دبے
فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کہے کوئی منہ میں زبان نہیں
نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

خبر دی۔ کہ قرآن کا رب حافظ ہے۔ اِس میں توریت و انجیل کی طرح ترمیم و تبدیل نہ ہو سکے گی۔ ایسا ہی ہوا۔ خبر دی۔ کہ عنقریب چند سالوں میں رومی فارسیوں پر غالب آجائیں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ خبر دی۔ کہ اے محبوب! ہم نے تمہارا ذکر اُونچا کر دیا۔ دیکھ لو۔ کہ آج بھی حضور علیہ السلام کا ذکر اُونچا ہے۔ خبر دی۔ کہ مؤمنین، متقین کو خلافت دیں گے۔ دیکھ لو خلفائے راشدین اور دُوسرے مؤمنین خلفاء ہوئے۔ غرض کہ لوگوں نے قرآن کریم کی حقانیت کے دلائل نزُولِ قرآن سے پہلے زمانہ میں بھی دیکھے۔ اور بعد میں بھی ؀

اَب سائنس نے تحقیق کی۔ کہ درختوں میں نر مادہ ہوتے ہیں۔ قرآن پہلے فرما چکا تھا۔ کہ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ اب

سائنس والوں نے دریافت کیا۔ کہ درخت کیا باتیں کرتے ہیں۔ قرآن پہلے کہہ چکا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ؕ

غرض کہ سائنسی تحقیقات بڑھتی جاوے گی۔ اور قرآن حکیم کی حقانیت زیادہ ظاہر ہوتی جاوے گی۔ یہ سائنس وغیرہ گویا اس آیت کی تفسیر ہے:۔

فائدہ:۔ اُن دونوں تفسیروں سے فائدہ حاصل ہوا۔ کہ مخلوقات میں اور قرآنی آیات میں غور و فکر کر کے ربّ تعالیٰ کی قدرت معلوم کرنا بڑی عبادت ہے۔ اسی لئے صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ ایک ساعت کی فکر ہزار برس کے ذکر سے افضل ہے۔ اور تدبر سے ایک آیت پڑھنا بغیر سمجھے ہوئے سارے قرآن پڑھنے سے افضل ہے۔ قرآن کریم نے ہر جگہ تدبّر اور فکر کا حکم دیا۔: اَفَلَمْ یَتَدَبَّرُوْا اَفَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا وغیرہ ؏

تیسری تفسیر:۔ کی بنا پر آیتِ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ اے محبوب ہم آپ کی حقانیت کے دلائل ہمیشہ لوگوں کو دکھاتے رہیں گے۔ عالم میں بھی اور خود لوگوں کے نفس میں بھی یہاں تک کہ لوگوں پر آپ کی حقانیت ظاہر ہو جاوے گی۔ اِس کی تفسیر یوں سمجھو۔ کہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات اُن کی تشریف آوری پر ظاہر ہوئے۔ اور اُن کے پردہ فرمانے پر چھپ گئے۔ مگر رب تعالیٰ نے حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چار قسم کی آیات عطا فرمائیں۔ ایک وہ جو آپ کی تشریف آوری سے پہلے دنیا نے دیکھے۔ اور دوسرے وہ جو تشریف آوری کے وقت ظاہر ہوئے۔ چوتھے وہ جو حضور علیہ السلام کے بعد قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ جیسے کہ آفتاب کا اعلان اس کی موجودگی میں بھی ہو رہا ہے۔ اور نکلتے وقت بھی صبح کی سفیدی سے وہ آشکارا ہے۔ ڈوبنے کے بعد شفق کی سرخی سے اور رات میں چاند تاروں کے نور سے

ظاہر ہے۔ کیونکہ سب کو اُسی نے چمکایا ہے ؂

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت کے سورج ہیں۔ باقی انبیاء تارے اور قیامت تک کے اولیاء، علماء ذرے، اسی لئے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے انبیاء چھپ گئے۔ اور علماء و اولیاء چمک گئے۔ کیونکہ سورج سے چراغ گل ہوتے ہیں۔ اور ذرے چمکتے ہیں ؂

اس آیت میں چوتھی قسم کے معجزات و آیات کا ذکر ہے۔ یعنی آپ پچھلے انبیاء کی مثل نہیں ہیں۔ کہ آپ کے پردہ فرمانے سے آپ کے معجزات بھی ختم ہو جاویں۔ بلکہ جیسے تشریف آوری سے پہلے کے معجزات دیکھے جاتے تھے۔ ایسے ہی پردہ فرمانے کے بعد بھی دیکھے جاویں گے۔ چار قسم کے معجزات کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے ؂

۱۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط
اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ انسان کی پیدائش سے پہلے رب تعالیٰ اور ملائکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیج رہے تھے۔ کیونکہ یُصَلُّوْنَ دوام۔ استمراری تجدیدی ہے۔ پتہ لگا۔ کہ انسان کی پیدائش سے پہلے حضور علیہ السلام کی دھوم مچی ہوئی تھی ؂

۲۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیۃ ۵
جس سے پتہ لگا۔ کہ عالم ارواح میں سارے نبیوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا عہد کیا گیا۔ پتہ چلا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آیت نبوت عالم ارواح میں آشکارا تھی ؂

آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر حضور علیہ السلام کا نام رب تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا پایا۔ معلوم ہوا۔ کہ آمنہ نے پیدا ہو کر

سب سے پہلے حضور علیہ السلام کی معرفت حاصل کی۔ اب بھی حکم ہے۔ کہ سب سے پہلے بچے کے کان میں آذان کہو۔ آدم علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پیدا ہوتے ہی پڑھا۔ تو جو آدمی ہو۔ وہ پہلے حضور علیہ السلام کا نام سُنے۔

آدم علیہ السلام کی خطا حضور علیہ السلام کے نام کے وسیلہ سے معاف ہوئی۔ اسی لئے آدم علیہ السلام کو وصیت کی تھی۔ کہ آڑی مصیبت کے وقت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے طفیل دُعا کیا کرنا کیوں کہ میری بڑی مشکل میں یہ ہی نام کام آیا ۔ (دیکھو خصائصِ کبریٰ)

نوح علیہ السلام کی کشتی حضور علیہ السلام کے نام پر پار لگی ؎

اگر نامِ محمد را نیا وردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجّینا

بعض علماء نے فرمایا ہے۔ کہ ملائکہ آدم علیہ السلام کی پیٹھ کے پیچھے کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا کرتے تھے۔ عرض کیا۔ کہ مولیٰ یہ میرے سامنے کیوں نہیں آتے؟ فرمایا گیا۔ کہ تمہاری پُشت میں نورِ محمدی جلوہ گر ہے۔ اُسی پر صلوٰۃ وسلام ہے۔ اور اُسی کی طرف سجدہ تھا ؎

زبانِ حال سے کہتے تھے آدم!
جسے سجدہ ہوا ہے مَیں نہیں ہوں

حکایت:۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا۔ کہ ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے تخت پر تمام دنیا کی سیر فرمائی۔ اس طرح کہ آپ کے ساتھ ایک ہزار انبیاء، علماء تخت پر تھے۔ اور کنارہ تخت پر جنات نغینات تھے۔ تخت کے اُوپر پرندے دھوپ سے سایہ کیئے ہوئے اُڑ رہے تھے۔ نیچے زمین پر تمام جانور ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کہ ایک خالی

میدان کے مقابل پہنچ کر تخت سے اُترے۔ اور سب کو اُتارا۔ اور وہ میدان پیدل چل کر طے فرمایا۔ پھر تخت پر جلوہ گر ہُوئے ۔

کسی نے اُس کی وجہ پُوچھی۔ تو فرمایا۔ کہ اُس جگہ آئندہ آبادی ہو گی۔ اور یہاں ایک شہر آباد ہو گا۔ جس کا نام مدینہ منوّرہ ہو گا۔ اور وہ شہر سیّد الانبیاء کا قیام گاہ اور آخری آرام گاہ ہو گا۔ میں نے اِس لئے زمین کا احترام کیا۔ پُوچھا۔ کہ وُہ شہر کب آباد ہو گا؟ فرمایا آج سے ایک ہزار برس بعد۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دُعائیں اور حضرتِ مسیح علیہ السّلام کی بشارتیں جو اُنہوں نے حضُور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حق کی ہیں۔ وُہ تو قرآن کریم نے نقل فرمائیں۔ روایات میں آتا ہے۔ کہ انبیائے کرام حضُور علیہ السّلام کے ذکر کی مجلسیں قائم کیا کرتے تھے۔ اور جیسے آج محفلِ میلاد شریف میں آپ کے فضائل واوصاف بیان کیئے جاتے ہیں۔ اور اِسی طرح دیگر انبیائے کرام اپنی اُمتوں کے مجمع جمع فرما کر انہیں حضور علیہ السّلام کے اوصاف سُنایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام اُمتیں حضُور کے وسیلہ سے مصیبتوں جنگوں میں دُعائیں کرتے تھے۔ قرآن کریم فرما رہا ہے :۔ وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ یہ کفار تمہارے لئے نام کے طفیل مصیبتوں میں دُعائیں کرتے تھے۔ غرض کہ آپ کے معجزات اور خبریں یوم الست سے قائم تھے ۔

یہ تو تھے گذشتہ زمانے کے واقعات۔ خُود سرکار کے زمانہ میں ہر شخص پر حضُور علیہ السّلام کے معجزات ظاہر ہو چکے تھے۔ بحیرہ راہب حضُور کا بچپن شریف دیکھ کر ایمان لا چکا تھا۔ حضرت عبداللہ نے دیکھ لیا تھا۔ کہ اُن پر خشک درخت سبز ہو کر سایہ کرتے تھے۔ بُت خانہ کے بُت اُن سے پناہ مانگتے

تھے۔ آمنہ خاتون نے زمانہ حمل میں ہر مہینہ کسی نہ کسی پیغمبر کو خواب میں دیکھا تھا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارتیں دیتے تھے۔ بوقت ولادت شریف حُورانِ بہشتی حاضرین ولادتِ پاک کے وقت حضور کا سجدہ فرمانا، یہ وہ باتیں تھیں۔ جو آمنہ خاتون کے ایمان کے لئے کافی تھیں ؎

حلیمہ دائی کا یہ دیکھنا۔ کہ حضور کی برکت سے اُن کے خشک پستان میں دودھ آیا۔ اُن کا کمزور خچر طاقتور ہو گیا۔ اُن کی سوکھی اُونٹنی نے اتنا دودھ دیا۔ کہ سب کنبہ دودھ سے سیر ہو گیا۔ شق صدر وغیرہ وہ معجزات ہیں۔ جو حلیمہ دائی کے ایمان کے لیئے کافی ہیں ؎

پھر بعد اعلانِ نبوت جو معجزے ظاہر ہوئے۔ وہ تو شمار سے باہر ہیں حضور علیہ السلام کے معجزے دو قسم کے ہیں۔ ایک داخلی دُوسرے خارجی داخلی معجزے تو یہ ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم از سر تا قدم معجزہ ہیں۔ ؎

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے
ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

پھر ایک ایک عضو لاکھوں معجزہ رکھتا ہے۔ اُس کے لئے قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ دیکھو ؎

خارجی معجزے ہزاروں ہیں۔ چاند کا چرنا، سورج کا واپس ہونا، پتھروں کا کلمہ پڑھنا، درختوں کا صلوٰۃ وسلام پڑھنا، اُونٹوں کا دُکھ درد سنانا، ستون خانہ کا فراق میں رونا، غرض ہزارہا معجزے ہیں۔ ؎

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ؎ ہاں یہی چاہتی ہے ہرنی داد
اُسی در پر شترانِ ناشاد
گلۂ رنج و عناد کرتے ہیں

دیگر انبیائے کرام کو ایک ایک دو دو معجزے عطا ہوئے۔ سب سے زیادہ معجزے موسیٰ علیہ السّلام کو ملے۔ یعنی نو۔ مگر حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے معجزات چھ ہزار تو وُہ ہیں۔ جو روائیت میں آ گئے۔ اور تمام معجزات ربّ جانے کتنے ہوں گے ؎

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ !
اُن سا نہیں انسان وُہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے اُنہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ط

حضور کے پردہ فرمانے کے بعد قیامت تک جو معجزات ظاہر ہوں گے۔ وُہ بھی ہمارے شمار سے باہر ہیں ؎

قرآن کی ہر آیت حضور کا معجزہ، ہزاروں معجزے تو اب پھر قائم ہیں اولیاء اللہ و علمائے کرام اور اُن کی کرامتیں حضور کے معجزے ہیں۔ جو قیامت تک ہوتے رہیں گے ؎

حضور کا اِتنا چرچا، حضور کی سلطنتِ عامہ کو اب بھی کسی بے دین کو گستاخی کی جرأت نہیں ہوتی۔ اور جو گستاخ شانِ اقدس میں کچھ بکواس بکتا ہے۔ وُہ فوراً اپنے کیئے کو بھگت لیتا ہے۔ شردھانند، راجپال اور نتھو رام کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ؎

اَب حضور علیہ السّلام کے نام سے لاکھوں، علماء، صلحاء عرفاء پل رہے ہیں۔ غرض کہ بیسیوں محکمے قائم ہیں۔ اور ہر محکمہ میں اعلیٰ انتظام ہیں (خدا کرے مَیں بھی اُن کے کسی محکمہ میں چپڑاسی رکھ لیا جاؤں) ؎

لاکھوں روپے سالانہ، زکوٰۃ بغیر کسی دباؤ کے نکل رہی ہے۔ آپ کا دین روشن و آباد ہے۔ یہ سب حضورؐ کے معجزے ہیں ؁

رائے سینا دہلی بن رہا تھا۔ ایک سنگِ مرمر کی سِل آرا مشین سے چیری گئی۔ تو اُس کے اندر قدرتی لکھا ہُوا تھا۔ احمد۔ میں نے خود اُس پتھر کی زیارت کی۔ جس پر لکھا ہُوا ہے۔ احمد۔ میرے پاس اب تک ایک پتھر ہے۔ جس پر قدرتی لکھا ہے۔ محمد ؁

چند سال گزرے۔ کہ آسمان پر تاروں کے درمیان لفظِ محمد نمودار ہُوا۔ اور اُس کی روشنی ساری دُنیا میں پھیل گئی۔ اُس کی تصدیق غیر مسلموں نے بھی کی۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اصلی بال شریف جہاں ہیں وہاں اُن کے برکات اب بھی دیکھنے میں آرہے ہیں۔ دھوراجی کاٹھیاواڑ میں میں نے ایک بال مبارک کی خود زیارت کی۔ جس میں ہر سال ایک شاخ نمودار ہو جاتی ہے۔ ایسے ایسے صدہا معجزے ہیں۔ جو قیامت تک تو لوگ دیکھتے رہیں گے ؁

تفسیر صوفیانہ :۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ عالم کا آیت ہونا دو طرح ہے۔ ایک ظاہری دُوسرا باطنی باطنی طور پر عالم کی ہر چیز ربّ کی قدرت قرآن کی حقانیت کی نشانی ہے۔ جسے ہر ہوش مند سمجھ سکتا ہے۔ لیکن باطنی طور پر صرف اہل اللہ کے لئے ہی آیت ہے۔ مثلاً اللہ والے ہر ذرہ، ہر قطرہ سے تسبیح و تہلیل سنتے ہیں۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ ہم کھانا کھاتے تھے۔ اور ہر لقمہ سے تسبیح سُنتے ہیں۔ ابو جہل پر حضورؐ نے توجّہ فرما دی۔ تو اُس نے کنکروں سے کلمہ سُنا۔ اِس لحاظ سے دُنیا اہل اللہ کے لیئے نشانی ہے ؁

حکایت:۔ گلستان میں شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ کہ ہم ایک سفر میں تھے۔ ایک منزل پر قیام کیا۔ صبح کے وقت ایک فقیر نے گریبان پھاڑ ڈالا۔ اور وجد میں رقص کرنے لگا۔ جب اُسے سکون ہُوا۔ تو ہم نے پوچھا۔ کہ تجھے اُس وقت کس چیز پر وجد آیا؟ بولا میں نے دریا کے مینڈکوں، ہَوا کے پرندوں اور پہاڑ کے ہر جانوروں کو ذکرِ الٰہی کرتے سُنا۔ مجھے خیال آیا۔ کہ؎

گفت ایں شرطِ آدمیت نیست

مُرغِ تسبیح خواں و من خاموش

ترجمہ:۔ یہ انصاف نہیں۔ کہ پرندے تسبیح پڑھیں۔ اور میں خاموش رہُوں:۔

"حکایت"

حضرت خواجہ خواجگان حضُور سرکار خواجہ معین الدّین چشتی اجمیری قدس سرّہ العزیز دریائے سندھ پر گزرے۔ تو آپ نے دریا سے پُوچھا۔ کہ کبھی تجھ پر کوئی اللہ کا بندہ کامل بھی گزرا ہے؟ اُس نے کہا۔ ہاں اڈھائی آدمی گزرے۔ ایک علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری اور دُوسرے حضُور عبدالقادر جیلانی اور آدھے آپ۔ اُس کے پتہ بتانے سے اُن دونوں مقام پر تشریف لائے۔ اور یہاں چلے گئے۔ مولانا فرماتے ہیں؎

نطق آب و نطق خاک و نطق گل

ہست محسوس از حواس اہلِ دل

فلسفی گو منکرِ حنانہ است

از حواسِ اولیاء بیگانہ است

اسی طرح حضُور سیدِ عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کی شان صرف اہل اللہ پہچان سکتے ہیں۔ یا وہ جس پر اہل اللہ کا ہاتھ ہو:۔ ع

مستوں کے سوا، تجھ کو سمجھا نہ کوئی سمجھے

ظاہری علم کی زیادتی، جس کے ساتھ عشق و محبت کا لگاؤ۔ نہ ہو۔ کبھی شانِ مصطفوی معلوم کرنے کے لیئے حجاب بن جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہیں۔ اہلِ علم بشریّت مصطفٰے ایں ایسے پھنستے ہیں۔ کہ آگے پڑھنا نصیب نہیں ہوتا۔ مگر واقف کاروں سے پُوچھو۔ کہ بشریّت تو یار کا ایک لباس ہے۔ ذرا لباس سرکا، کہ معاملہ صاف ہے۔ اِس طرح ڈاکٹر اقبال نے اِشارہ کیا ؎

نگاہِ عاشق کی جان لیتی ہے پردۂ میم اُٹھا اُٹھا کر
وُہ بزمِ امکاں میں لاکھ بیٹھیں ہزار منہ کو چُھپا چُھپا کر

یہ ڈاکٹر صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبدیّت اور دیگر عبدیّت میں کتنا فرق کرتے ہیں۔ ؎

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
او سراپا انتظار او منتظر
عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ
ما ہمہ رنگیم وا دبے رنگ و بو
عبدہٗ چند و چگون کائنات!
عبدہٗ رازِ درونِ کائنات!
عبدہٗ صورت گر تقدیر ہاست
اندریں تخریب ہا تعمیر ہاست
کس از سر عبدہٗ آگاہ نیست!
عبدہٗ جز سرّ الا اللہ نیست
مدعی پیدا نہ گردد زیں دو بیت ❊ تا نہ بینی از مقامِ مَا رَمَیتُ

یعنی سب ہیں عبد اور حضورؐ ہیں عبدہٗ۔ عبد وُہ جو رب کا انتظار کرے، عبدہٗ وُہ کہ ربّ اُن کا انتظار فرماوے۔ عبد وُہ جو رب کی رضا چاہے۔ عبدہٗ وُہ کہ رب اُس کی رضا چاہے۔! وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ط عبد وُہ جو رب سے پُوچھ کر کام کرے۔ عبدہٗ وُہ کہ رب اُس کی مرضی پاکر حکم نافذ فرماوے عبد وُہ جو اُس پر ناز کرے۔ کہ مَیں ربّ تعالیٰ کا بندہ ہُوں۔ عبدہٗ وُہ کہ دستِ قدرت اِس پر ناز کرے۔ کہ مَیں مُصطفیٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مولیٰ ہوں۔! ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ ط عبد وُہ کہ دُوسرے اُس کا سایہ اور عکس ہوں۔ ع

اصل سے ہے ظلّ بندہا تم پہ کروڑوں دُرود

عبد وُہ جو بیرونِ سرا ہو۔ عبدہٗ جو اندرونِ سرا ہو۔ ابھی تک لوگوں کو عبدہٗ کے اسرار کا پتہ ہی نہ لگا۔ یوں سمجھ لو۔ کہ عبدہٗ لا الٰہ الّا اللہ کا راز ہے۔ عبدہٗ سے سارے عالم کی تقدیریں وابستہ ہیں۔ جس پر عبدہٗ کی توجہ ہو جاوے۔ اُس پر سارے عالم کی عنائت ہو جاوے۔ شعر

ہر ذرّہ دِل بن جاتا ہے ہر چیز نذر ہو جاتی ہے!
وُہ آنکھ جدھر ہو جاتی ہے کونین اُدھر ہو جاتی ہے

میرے اِن دو شعروں سے عبدہٗ کے معنیٰ ظاہر نہ ہوں گے۔ جب تک کہ تم یہ آیت بغور نہ دیکھو!۔

"مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی ط

لُطف تو دیکھو۔ یہاں منطقی قاعدے سے اجتماع نقیضین ہے۔ کہ فرماتا ہے۔ اے محبُوب! تم نے کنکر پھینکے۔ تو تم نے نہ پھینکے۔ ربّ تعالیٰ نے پھینکے۔ پھینکنے کا ثبوت بھی اور نفی بھی۔ اِس کا حل کسی دل جلے عاشق سے پوچھو۔ ع

میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وُہ
جن سے سارے کافروں کا دفعتاً مُنہ پھر گیا

یہ تو عالم کی نشانیوں کا ذکر تھا۔ جو خود انسان کی ذات میں قدرت کی نشانیاں اِس قدر موجود ہیں۔ کہ انسان خود عالم ہے۔ اِسی لیئے صُوفیاء کرام اور دُنیا اس کی تفصیل۔ انسان تخم ہے۔ اور دُنیا درخت۔ جیسے تخم میں سارا درخت اجمالاً موجود ہے۔ ایسے ہی انسان میں سارا عالم نمودار ہے۔ چنانچہ اُن کے نزدیک جسمِ انسانی عرشِ رحمان ہے۔ اور نفس کُرسی ہے۔ دل بیت المعمور۔ اور دِل کے سات لطیفے جنت کے سات طبقے ہیں۔ رُوحانی قوتیں فرشتے ہیں۔ دونوں آنکھیں، ناک کے نتھنے، کان، دونوں، سبیل، ناف، پستان اور منہ گویا بارہ ۱۲ برج ہیں۔ اور قوت باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامہ، لامسہ، ناطقہ، عاقلہ گویا سات ستیارے تارے ہیں۔ اور انسان کے بدن کے تین سو ساٹھ ۳۶۰ جزو گویا تین سو ساٹھ دن ہیں۔ اور انسان کے مُنہ کے مخرج جن سے حروف ادا ہوتے ہیں۔ گویا چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں ؀

اِسی طرح جیسے دنیا میں زمین، پہاڑ، کانیں، دریا، نہریں ہیں۔ اِسی طرح جسم انسانی گویا زمین ہے۔ ہڈیاں پہاڑ کی طرح اس جسم کی میخیں ہیں۔ اور ہڈیوں کا مغز گویا کانیں، پیٹ گویا دریا، انتڑیاں نہریں، رگیں نالیاں ہیں۔ چربی گویا کیچڑ ہے۔ بال گویا نباتات ہے۔ پشت گویا جنگل ہے۔ سانس گویا ہوا۔ کلام گرج، آواز، بجلی، گریہ زاری بارش اور خوشی دن ہے۔ رنج وغم رات، نیند موت ہے۔ بیداری زندگی، پیدائش، ابتداء سفر ہے۔ بچپن موسم بہار، جوانی موسم گرما، بڑھاپا سردی اور موت انتہائے سفر ہے۔ عمر کے سال مختلف شہر ہیں۔ مہینے منزلیں ہیں۔ ہفتے گویا راستے کے کوس، دن گویا میلیں،

سانسیں قدم، ہر سانس پر انسان زندگی کا ایک قدم چلتا ہے۔ روزانہ دن میں بارہ ہزار سانس لیتا ہے۔ رات میں بارہ ہزار قیامت میں ہر اُس سانس پر ندامت ہو گی۔ جو غفلت میں گزرے۔ یہ تو اعضائے دن کا ذکر تھا :

پھر صفاتِ انسانی کو دیکھو۔ تو معلوم ہو گا۔ مخلوقات کا جامع انسان ہے۔ انسان معرفتِ الٰہی میں فرشتہ ہے۔ مکر و فریب کے لحاظ سے شیطان، کا اُستاد ہے۔ ہمّت و بہادری میں شیر ہے۔ جہالت میں جانور ہے۔ تکبّر میں چیتا ہے۔ غصّہ و فساد میں بھیڑیا ہے۔ صبر میں گدھا ہے۔ شہوت میں چڑیا ہے۔ حیلہ بازی میں لومڑی ہے، حرص و طمع میں چیونٹی اور چوہا ہے، بُخل میں کُتّا خیانت میں سؤر ہے۔ کینہ میں سانپ ہے۔ بردباری میں اُونٹ ہے۔ سخاوت میں مُرغ ہے۔ کاریگری میں اُلو ہے۔ چاپلوسی میں بلّی ہے۔ ہمّت میں باز ہے۔ صلہ بازی میں کوّا۔ اُن تمام پر طرّہ یہ ہے۔ کہ صاحبِ عقل و نظر ہے۔ یہ تمام رب کی وہ نشانیاں ہیں۔ جو نفسِ انسان میں نظر آ رہی ہیں۔ : فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۵

اور مسلمانوں کے آپس کے کام اپنے مشورے سے ہوتے ہیں ؛

اِس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے۔ کہ آپس کے معاملات مشورہ سے کریں۔ مشورہ چونکہ بڑی اہم چیز ہے۔ اِس لئے جگہ جگہ قرآن کریم میں اِس کی تاکید فرمائی گئی ہے ؛

اِس صحبت میں ہم مشورہ کے متعلق چند اُمور عرض کرتے ہیں۔ مشورہ کے معنی کیا ہیں۔ ؛ مشورہ کس کام میں کیا جاوے۔ مشورہ کے فضائل و فوائد ؛

۱-: مشورہ کے معنی:- مشورہ شورٰ سے بنا بمعنے ظاہر کرنا یا حاصل چونکہ مشورہ میں ہر ممبر رائے ظاہر کرتا ہے یا ہر شخص کی رائے حاصل کی جاتی ہے۔ لہٰذا اُسے مشورہ کہتے ہیں۔ اِسی لئے شورٰی اور مشاورت بنا ہے ؛

۲-: مشورہ کے فضائل:- مشورہ کے عقلی و نقلی بہت سے فضائل و فوائد ہیں۔ مشورہ کرنا سنّت الٰہیہ ہے۔ ربّ العالمین نے جب آدم علیہ السّلام کو پیدا فرمانا چاہا۔ تو فرشتوں سے مشورہ فرمایا۔: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۵

ہم زمین میں اپنا نائب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مشورہ تھا۔ اپنے ارادے کی محض اطلاع نہ تھی۔ اِسی لیئے فرشتوں کو یہ سُن کر اپنی رائے ظاہر کرنے کی جرأت ہوئی۔ کہ عرض کیا۔: اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ؕ

کیا ایسے کو اپنی خلافت عطا فرمائے گا۔ جو زمین میں فساد پھیلائے گا۔ جو زمین میں فساد و خون ریزی کرے گا۔ پھر اپنی رائے پیش فرمائی۔ کہ :۔ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ٥ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ ہم ہی خلافتِ الٰہیہ کے زیادہ حق دار ہیں۔ اگرچہ اُن کی یہ رائے قبول نہ ہوئی۔ اور فرمایا گیا :۔ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ ہم وہ جانتے ہیں۔ جو تم نہیں جانتے ؛

اگر یہ مشورہ نہ ہوتا۔ تو ملائکہ کبھی اپنی رائے پیش نہ فرماتے۔ اُن کی صفت یہ ہے۔ کہ :۔ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ٥ جس کا انہیں حکم مل جاتا ہے۔ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ بہرحال یہ مشورہ تھا۔ جس میں بندوں کو تعلیم دینا مقصود تھا۔ ہم علیم و خبیر ہوتے ہوئے مشورہ فرماتے ہیں۔ تم بھی کاموں میں مشورہ کر لیا کرو ؛

حضورِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان سے بڑھ کر عقل و حکمت والے ہیں۔ تمام جہان کی عقل ایک پیغمبر کی عقل و دانائی کے مقابلہ میں دسواں حصّہ ہے۔ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی مجموعی عقلیں حضورؐ کی عقل کا دسواں حصّہ ہیں ؛

دیکھ لو۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے عرب جیسے وحشی اور نامہذب ملک میں تشریف فرما کر عرب کی۔ بلکہ سارے عالم کی وہ اصلاح فرمائی۔ جو نہ کسی فلسفی سے ہو سکی۔ نہ سائنس والوں سے ؎

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اس کملی والے نے تبلا دیا چند اشاروں میں

اس قدر علم و حکمت، فہم و دانائی کے ہوتے ہوئے ربّ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ وَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۝

ترجمہ:۔ اے محبوب اپنے سارے نیازمندوں سے مشورہ فرما لیا کریں۔ اور جب ارادہ فرمالیں۔ تو اللہ پر توکل فرماویں ؀

اسی لیئے حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم جنگ وغیرہ اہم وغیرہ اہم کاموں میں انصار و مہاجرین سے مشورہ فرماتے تھے۔ معلوم ہوا۔ کہ مشورہ سنّتِ نبوی ہے اور اس مشورہ سے اُمت کو تعلیم دینا مقصود تھا۔ کہ ہم صاحبِ وحی ہوتے ہوئے مشورہ کرتے ہیں۔ تو تم بھی مشورہ کیا کرو ؀

ایک شخص کی رائے اس کچے دھاگے کی طرح ہے۔ جس سے کوئی مضبوط کام نہیں ہوسکتا۔ مگر مشورہ کے لئے جب چند رائیں مل گئیں۔ تو اس مضبوط رسی کی طرح ہوگئی۔ جس سے بڑی بھاری چیزیں باندھ لی جاتی ہیں۔ اسی لیئے فرمایا گیا:۔ یَدُاللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَتْ ۝

ترجمہ:۔ یعنی جماعت پر اللہ کا دستِ کرم ہے ؀

مشورہ سے کام کرنے والا خجالت و طعنے سے محفوظ رہتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت بے یارو مددگار نہیں ہوجاتا۔ اگر ہم کوئی کام صرف اپنی رائے سے کر بیٹھیں۔ تو صرف ہم ذمّہ دار ہیں۔ اگر کل کو اس میں ناکامی ہو۔ تو نقصان کے ساتھ خلق ہنسائی بھی ہوگی۔ اور ہم کو شرمندگی بھی، اور ہماری قوم ہماری مدد بھی نہ کرے گی۔ کہ تُو نے ہی کیا تھا۔ تو ہی بھر۔ لیکن اگر مشورہ سے کام ہُوا۔ تو اگرچہ بعد میں اتفاقاً نقصان بھی ہو جاوے۔ مگر لوگوں کی ہمدردی ہمارے ساتھ ہوگی۔ کیونکہ سب کی رائے سے کام ہوتا ہے ؀

مشورہ پر بادشاہی، کونسل، کچہریاں، انجمنیں، خانگی کاروبار چل رہے

ہیں۔ جس شخص پر خدا راضی ہوتا ہے۔ اور اُسے مشیر بخشتا ہے۔ اور جس بادشاہ پر خدا مہربان ہوتا ہے۔ اُسے وزیر عنایت فرماتا ہے ؂

حکایت: ۔کسی نے امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پُوچھا۔ کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں فتوحاتِ اسلامی زیادہ ہوئیں۔ اور آپ کے زمانہ میں خانہ جنگی زیادہ رہی۔ اُس کا سبب کیا ہے؟ فوراً جواب دیا۔ کہ انہیں مشورہ دینے والے ہم تھے۔ اور ہمیں مشورہ دینے والے تم ملے ؂

حدیث شریف میں ہے۔ کہ جب تک تمہارے حکام اچھے ہوں۔ اور تمہارے مال دار سخی ہوں۔ اور تمہارے کام آپس میں مشورہ سے ہوں۔ تب تک تمہارے لئے زمین کی پُشت زمین کے پیٹ سے اچھی ہے۔ یعنی زندگی موت سے افضل ہے۔ اور جب تمہارے حکام بُرے ہوں۔ اور تمہارے سخی بخیل ہوں۔ اور تمہارے کام عورتوں کے سُپرد ہو جائیں۔ تو تمہارے لئے زمین کا پیٹ پشت سے بہتر ہے۔ یعنی موت زندگی سے افضل ہے ؂

مشورہ سے قوم میں تنظیم اور اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ مشورہ میں ادنیٰ آدمی اعلیٰ کے برابر کیا جاتا ہے۔ اور قوم کے چھوٹے بڑے ایک کر دیئے جاتے ہیں۔ اور نیچ اُونچ نااتفاقی کی جڑ ہے۔ اور مُساوات اتفاق کی جڑ۔ جب بادشاہ رائے لینے کے لئے مساکین اہلِ رائے کو دربار میں بُلائے گا۔ تو اُنہیں خوشی بھی ہوگی۔ اور ہمدردی بھی ؂

شخصی بادشاہتیں اسی لئے جلد تباہ ہوگئیں۔ کہ رعایا کو اُن سے ہمدردی نہ تھی۔ جنگ کے موقعہ پر پبلک نے کہا۔ کہ بادشاہ جانے اور جنگ ہم سے کیا تعلق۔ فوج بھی بڑھی۔ تو محض ادائے فرض۔ اور تنخواہ لینے کے لئے۔ جمہوری سلطنت کی تمام رعایا فوج ہے۔ یہ مشورہ کی برکت ہے ؂

اسلام کی جماعت کی نمازوں میں مشورہ کا فائدہ ہے۔ کہ محلے والے دن بھر میں پانچ دفعہ ملیں۔ اور اونچی نیچی باتوں میں مشورہ کر لیا کریں۔ جمعہ کے دن۔ شہر کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہو جائے۔ اور عید کے دن سارے مضافات کے مسلمان مل جاویں۔ بلکہ حج میں دنیا بھر کے مسلمانوں سے مل کر مشورہ کرنے کا موقعہ مل جاوے۔

یہ جماعت کی نمازیں گویا مسلمانوں کی کانفرنسیں ہیں۔ دوسری قومیں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے گول میز کانفرنس کرتے ہیں۔ کیوں ؟
صرف مشورہ کے لیئے، مگر مسلمانوں کی گول میز کانفرنس ہر سال مکہ معظمہ میں ہوتی ہے۔ جہاں بغیر خرچ ہر ایک کی قیمتی رائے معلوم ہو سکتی ہے ؎

زمانہ نبوی میں مسجدوں میں مسلمانوں کی کچہریاں تھیں۔ اور مسجد ہی میں قوانین بنتے تھے۔ وہاں ہی فوج بن کر فتوحات حاصل کرتی تھی۔ مسجد ہی میں قاضی کے فیصلے جاری ہوتے تھے۔ غرض کہ مسجدیں ہی اسلام میں دارالمشورہ تھیں۔ جب سے کچہریاں مسجدوں سے نکل کر کوٹھیوں میں پہنچیں۔ تب ہی سے مشورے ناقص ہو گئے۔ اور قوم میں فتور آ گیا ؎

مشورے کے کام:۔ کام تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کا حکم یا ممانعت شریعت میں آ گئی۔ یعنی احکام منصوصہ دوسرے اسرار، تیسرے کاروبار دینی یا دنیاوی۔ پہلے دو میں مشورہ کی گنجائش نہیں۔ تیسرے میں مشورہ کی ضروری ہے۔ اگر تمام دنیا نماز چھوڑ دینے، زکوٰۃ نہ دینے، حج ترک کرنے، جہاد بند کرنے کا مشورہ دے۔ تو غلط ہے۔ یہ سارے کام ضرور کیئے جائیں گے۔ کیونکہ رسول اللہ نے ان کا حکم دے دیا۔ پھر مشورہ کیا۔ دیکھو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ اسلام کے وقت سارے جہان

کی رائے تھی۔ کہ شرک کیا جائے۔ توحید کا اعلان صرف حضور کا تھا۔ وہ تمام مشورے باطل ہوئے۔ اور ایک ذات کریم نے توحید کا ڈنکہ بجایا۔ رب کے مقابلہ میں سب کی نہ مانو۔

اِس قسم کے احکام کے لیئے وہ آئیت ہے۔: مَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَامُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۝

مومن یا مومنہ کو اللہ اور رسول کے فیصلہ کی موجودگی میں کوئی اختیار نہیں۔ دیکھو نبوّت میں کسی کے مشورہ کی ضرورت نہیں۔ مگر سلطنت کے لئے مشورہ درکار ہے۔

اسی طرح راز و نیاز کی چیزوں میں کسی سے مشورہ نہ کرو۔ بلکہ کسی پر ظاہر بھی نہ کرو۔ کہ راز بتانے کی چیز ہی نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ مَیں نے نبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے دو قسم کے علم حاصل کیئے۔:

(۱) ایک وہ جو تم میں پھیلایا (۲) دوسرا وہ جو اگر کچھ بھی ظاہر کروں۔ تو تم میرا گلا کاٹ دو۔

معلوم ہوا۔ کہ اغیار سے اسرار چھپائے جاتے ہیں۔ باقی کاموں میں مشورہ بڑی برکت کا باعث ہے۔ مشورہ کے کام میں رب تعالیٰ مدد فرماتا ہے۔

مشورہ کن لوگوں سے کیا جائے؟ یہ ضرور خیال رہے۔ کہ ہر کام میں مشورہ اُس کے اہل سے کرنا ضروری ہے۔ ورنہ کام بگڑ جاوے گا۔ بیماریوں میں پولیس سے مشورہ نہ لو۔ حکیم سے لو۔ شرعی معاملہ میں علماء سے، مقدمہ میں وکیلوں سے، عمارت بنوانا ہو۔ تو معماروں سے۔ اور چوری کی تفتیش کرانی ہو۔ تو پولیس سے مشورہ کرو۔ نہ خود اپنی رائے سے کام لو۔ نہ نا اہل سے مشورہ کرو۔ ڈاکٹر

اقبال نے نااہلوں کے مشورہ سے بچنے کے لئے فرمایا ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو

کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نہ می آید

ایک انسان کی بات مانو، دو سو گدھوں کے مشورہ پر عمل نہ کرو ؛

حکومتِ برطانیہ کے قانون میں مال داری، رائے دہندگی کا مدار ہے۔ کہ اتنا ٹیکس دینے والا کونسل کا ممبر بن سکتا ہے۔ اور اتنی دولت کا مالک دہندہ ہو سکتا ہے ؛

اسلام میں ہر چیز میں رائے دہندہ ہونے کا مدار علم و عقل پر ہے۔ نہ کہ عمر و مال پر، اگر مال دار ہی عقل مند ہؤا کرتے، تو فرعون، شدّاد، نمرود بڑے عقل مند ہوتے۔ حالانکہ یہ پورے گدھے تھے۔ اور اگر غریب بیوقوف ہوتے۔ تو انبیاء اولیاء، صلحاء اور مساکین نہ ہوتے۔ مجلس نبوی میں جہاں عثمان غنی کو رائے دینے کا حق تھا۔ وہاں سلمان فارسی اور بلالِ حبشی کو برابر کا حق تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بلکہ غزوہ خندق سلمان فارسی کے مشورہ سے ہؤا ؛

حکایت :- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ یمن کا گورنر ایک آزاد شدہ غلام کو بنایا۔ لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ غلام اور گورنر فرمایا۔ ہاں اُس کے پاس علم قرآن زیادہ ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا۔ کہ بنی اسرائیل کے لئے طالُوت کو بادشاہ بنایا گیا۔ تو انہوں نے اعتراض کیا۔ کَیْفَ یَکُوْنُ لَہٗ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَۃً مِّنَ الْمَالِ ۝

خدایا طالُوت کے پاس مال نہیں ہے۔ اُسے بادشاہت کیوں عطا ہوئی ؟ ارشاد ہؤا :-

" سَعَۃً مِّنَ الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۝ طالُوت کو جسمانی قوّت، علمی سطوت،

زیادہ عطا ہوئی۔ اِس لیئے وُہ ہی سلطنت کے لائق ہیں ؁

حضرت آدم علیہ السّلام کا علم اُن کی بلندی مراتب کا سبب بنایا گیا۔ غرض کہ مال داری مدار رائے دہندی کا نہ ہونا چاہیئے۔ اور امیر، وزیر، مشیر اہل ہونے چاہئیں۔ نا اہل کے ہاتھ یہ کام آنا بربادی کا باعث ہے۔ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ ؁

جب نا اہلوں کے ہاتھ میں کام آجاوے۔ تو قیامت کا اِنتظار کرو۔ ؎

گربہ دمیر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند
ایں چنیں ارکانِ دولتِ ملک را ویراں کنند

مشورہ کے شرائط:۔ مشورہ کی چند شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ مشیر کی رائے آزاد ہو۔ خودی یا لالچ یا مروت میں دبی ہوئی نہ ہو۔ موجودہ زمانہ میں جو ممبری کے لیئے رائے دہندگی ہوتی ہے۔ اِس میں اکثر رائے روپیہ سے خرید لی جاتی ہیں۔ بعض میں دوستی مروّت کا لحاظ ہوتا ہے۔ بعض میں دھونس، دباؤ کا اثر ہوتا ہے۔ ایسی کسی رائے کا اِعتبار نہیں۔ کہ یہ رائے دہندہ کی آواز نہیں۔ بلکہ دھونس والے کی آواز ہے۔ مشورہ میں ضروری ہے۔ کہ معمولی آدمی بڑے سے بڑے کی مخالفت کر سکے ؁

حکایت:۔ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لونڈی تھیں۔ اور مغیث کے نکاح میں تھیں۔ جب آزاد ہوئیں۔ تو اُنہیں قانونی طور پر اختیار فسخ ملا کہ۔ نکاح رکھیں۔ یا توڑیں۔ حضور نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مغیث کی سفارش فرمائی۔ کہ نکاح قائم رکھیں۔ عرض کرنے لگیں۔ کہ آقا یہ آپ کا حکم ہے۔ یا مشورہ۔ اگر حکم ہے۔ تو میرے سر و چشم پر۔ فرمایا نہیں۔ یہ محض مشورہ ہے۔ تو بولیں۔ کہ مجھے منظور نہیں ہے۔ مَیں تو نکاح توڑوں گی۔ آخر نکاح توڑ

دیا۔ اِس پر یہ نہ فرمایا۔ کہ تم نے لونڈی ہوتے ہُوئے ہم شہنشاہ دو جہاں کی رائے نہ مانی۔ قیامت تک کے لیئے نمونہ قائم ہوگیا۔ کہ رائے میں آزادی ضروری ہے۔ آج کل رائے میں یہ آزادی گم ہے۔ یہ تو رائے ہے۔ گواہی میں شرط ہے۔ کہ رعائیت، مروت وغیرہ سے پاک و صاف ہو۔ اِسی لیئے باپ کے حق میں بیٹے اور مولیٰ کے حق میں غلام کی گواہی معتبر نہیں ۞

حکایت:۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت ہے۔ قاضی شریح کوفہ کے جج ہیں۔ ایک یہودی کے قبضہ میں ایک زِرہ ہے۔ خلیفۃ المسلمین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعویٰ کیا۔ کہ یہ زِرہ میری ہے۔ یہودی نے انکار کیا۔ مقدمہ دائر ہوگیا ۞

قاضی شریح نے حضرت علی سے گواہ طلب کیئے۔ آپ نے اپنے فرزند امام حسن اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا۔ قاضی شریح نے فرمایا۔ کہ مجھے یقین ہے۔ کہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نورِ نظر، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وسلم کا لختِ جگر اور علی مرتضیٰ کا فرزند ارجمند کبھی جھُوٹ نہیں بول سکتا۔ مگر قانون یہ ہے۔ کہ بیٹے کی گواہی باپ کے لیئے اور غلام کی گواہی مولیٰ کے لیئے قبول نہیں۔ لہذا یہ دونوں گواہیاں آپ کے حق میں قبول نہیں۔ اور گواہ پیش فرمادیں ۞

آپ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس اور کوئی گواہ نہیں۔ چنانچہ امیرالمؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اِس یہودی کو ڈگری ملی۔ کچہری سے باہر آ کر یہودی نے آپ کے قدم پکڑ لیئے۔ اور عرض کیا۔ کہ مجھے مسلمان کر لیجئے۔ یہ زِرہ واقعی آپ کی ہے۔ مجھے آپ کے عدل و انصاف کا آزمانا منظور تھا۔ واقعی مسلمان بڑے انصاف والے ہیں ۞

اِس واقعہ سے سبق ملتا ہے۔ کہ رائے اور گواہی دباؤ کی معتبر نہیں۔ غرض رائے مشورہ دین اور قوم کی بھلائی کے لئے ہونا چاہیئے۔ نہ کہ کِسی شخص کی بھلائی کے لئے ؂

اگر قوم کا مشورہ کسی شرعی قانون سے ٹکرا جاوے۔ تو مشورہ ٹھکرا دیا جاوے گا۔ اور قانونِ شرعی کی حفاظت کی جاوے ؂

حکایت:۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں ایک قوم نے خیال کیا۔ کہ ظاہری مال یعنی بھیڑ بکریوں اور پیداوار کی زکوٰۃ اب حکومت کو نہیں دینا چاہیئے۔ کیوں کہ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے۔: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا ۵

ترجمہ:۔ اے نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم آپ اُن کے مالوں کا صدقہ وصُول فرماؤ۔ اور اُنہیں اِس سے پاک فرمادو۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ اِس زکوٰۃ کی وصُول کا حق صرف نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تھا۔ اب جب کہ حضورؐ علیہ السّلام نے پردہ فرما لیا۔ تو ہم حکومت کو زکوٰۃ نہ دیں گے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ کہ اُن لوگوں پر جہاد کرنا چاہیئے۔ سب کی اور خصوصًا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اِس کے خلاف ہوُئی۔ کہ چونکہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں۔ اُن سے جہاد کیسا؟ مگر صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر اس پر تھی۔ کہ اگر آج کچھ ڈھیل دی گئی۔ تو کل نماز کو اور پرسوں کلمہ کو لوگ چھوڑیں گے ؂

فرمایا اچھا کوئی نہ جائے۔ مَیں اکیلا میدان میں جاؤں گا۔ تب آپ اکیلے چل پڑے۔ تو پھر سب ساتھ ہوُئے۔ اور اُن لوگوں کو مغلوب کیا۔ پھر سب اصحاب نے اقرار کیا۔ کہ واقعی یہ جہاد ضروری تھا ؂

دیکھو یہاں سب کا مشورہ قانونِ اسلامی کے خلاف ہو سکتا تھا۔ امام نے نہ مانا ؛

حکایت:۔ یزید نے تختِ خلافت پر قبضہ کیا۔ عراق و حجاز کے قریباً تمام مسلمانوں نے تسلیم کر لیا۔ مگر سید الشہداء کربلا امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دُور رس نگاہوں نے بھانپ لیا۔ کہ اگر آج اس خلافت میں سُستی کی گئی۔ اور یزید جیسے فاسق و فاجر کو خلیفہ مان لیا گیا۔ تو آئندہ مسئلہ خلافت، بچوں کا کھیل بن کر رہ جائے گا۔ جس نا اہل کا دِل چاہے گا۔ خلافت کا دعوے دار بن جائے گا ؛

سیدنا عبداللہ ابن عمر و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے منع کرتے ہُوئے آپ یزید کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ زن و فرزند شہید کرا دیئے۔ مگر قانونِ اسلامی کے وقار کو ٹھیس نہیں لگنے دی ؛

اُن واقعات سے پتہ لگا۔ کہ واقعی مشورہ ماننا ضروری ہے۔ مگر اُس وقت تک جب تک کہ اُس سے کسی شرعی قانون کے بگڑنے کا اندیشہ نہ ہو ؛

مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ اُن واقعات کو سامنے رکھ کر اپنے ووٹ اور رائے کی قدر کریں۔ اور خیال رکھیں۔ کہ ووٹ ایسی قیمتی چیز ہے۔ کہ اس کی حفاظت کے لئے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان دے دی ؎

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا اِلٰہ ہست حسین

لطیفہ:۔ اُس زمانہ میں بعض پاکستانی بے فکروں کو نئی سُوجھی۔ اُن کا مشورہ یہ ہے۔ کہ پاکستان میں قُربانی بند کرائی جائے۔ اور اُس کا پیسہ حکومت کے حوالہ کیا جائے۔ جس سے کشمیر کی جنگ جیتی جاوے۔ اگر یہ ترقی رہی۔ تو

آئندہ حج کی باری ہے۔ اُن کا مشورہ پھر یہ ہوگا۔ کہ حج کے ذریعہ کروڑوں روپیہ سالانہ پاکستان سے باہر چلا جاتا ہے۔ اُسے بند کر کے حکومت کا خزانہ بھرا جاوے پھر زکوٰۃ و فطرے کی باری بھی آ جاوے گی ٭

اُن کی نگاہِ دُور بین سینما، تھیٹر، شراب، تاش اور دیگر حرام اخراجات پر نہیں پہنچتی ٭

اگر یہ لوگ کہتے۔ کہ جو لوگ تاش کھیلتے دیکھتے، آوارہ پھرتے دیکھے جاویں۔ اُنہیں فوراً اسلامی فوج میں بھرتی کر لیا جائے۔ کیونکہ یہ بیکار لوگ ہیں۔ اور یہ تمام بدمعاشیاں بند کر کے اُس کا پیسہ حکومت کے خزانہ میں داخل کرایا جاوے۔ تو ہم بھی اُس کی تائید کرتے۔ غرض کہ ہر مشورہ قابلِ قبول نہیں۔

یہ بھی خیال رہے۔ کہ حکومت و خلافت کی اہلیت کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ دینداری، تقویٰ، علم و حکمت، وفاداری نہ کہ غداری۔ سیاست دانی محض عبادات سے خلافت کا استحقاق نہیں۔ ورنہ ملائکہ خلیفہ ہوتے۔ محض عبادات سے خلافت، سیاست دانی خلافت کے لئے کافی نہیں۔ ورنہ ابلیس خلیفہ ہونا چاہیئے تھا ٭

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتخاب خلافتِ الٰہیہ کے لئے اِس لیئے کیا گیا۔ کہ آپ کو دینی علم، سیاست دانی، وفاداری غرض کہ ہر کمال عطا ہُوا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ؕ

ترجمہ :- اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو- اور سچّوں کے ساتھ رہو- اس آیت میں اللہ جلّ شانہٗ نے مُسلمانوں کو ایسی دُو باتوں کا حکم دیا ہے- کہ اگر مسلمان اُس کے عامل بن جاویں- تو اُن کے دونوں جہان دُرست ہو جاویں- ایک پرہیزگاری دُوسرے اچھوں کی سنگت ؛

پہلے یہ سمجھنا چاہیئے- کہ سارے احکام میں ایمان کی شرط اس لیئے لگائی جاتی ہے- کہ کوئی نیکی ایمان کے بغیر کام نہیں آتی- ایمان جڑ ہے- اور نیک اعمال کی شاخیں- بغیر جڑ کے شاخیں نہیں ہوتیں- ایسے ہی بغیر ایمان کے نیکیاں قبول نہیں ہوتیں ؛

کنوئیں کے پانی سے جسم کا وضو ہے- اور مدینہ پاک کے پانی سے دل و رُوح کا وضو ہوتا ہے- بغیر جسمانی غسل کے مسجد میں جانا منع ہے- اور بغیر ایمانی غسل کے مسجد قُربِ الٰہی میں پہنچنا ناممکن ہے- یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے- کہ ایمان کسے کہتے ہیں- اور ایمان کی حقیقت کیا ہے ؟

ایک ہے توحید اور ایک ہے ایمان، خدا تعالیٰ کو ایک جاننا توحید کہلاتا ہے- اور حضُور مصطفٰے صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو برحق ماننا ایمان ہے اور بغیر ایمان توحید بالکل بیکار ہے- جیسے بازارِ دنیا میں بغیر مُہر کا نوٹ کوئی قیمت نہیں رکھتا- ایسے ہی بازارِ قیامت میں بغیر سکّہ مصطفٰے کے توحید کے سادہ کاغذ کی کوئی قیمت نہیں اس کی تین دلیلیں ہیں ؛

۱-: ابلیس توحید کا قائل تھا۔ بلکہ وہ ربّ تعالیٰ کی ذات اور صفات جنت دوزخ حشر ونشر غرض اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ کے تمام ارکان کا معتقد تھا، ربّ تعالیٰ اُسے کلام کرتا تھا۔ فرشتوں کو اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جنّت دوزخ کی سیر کرتا تھا۔ مگر صرف نبی کی عظمت کا معتقد نہ تھا۔ یعنی موحد تو تھا۔ مگر مومن نہ بنا۔ دیکھو اُس کا کیا حشر ہوا ۞

ثابت ہوا۔ کہ ایمان کے بغیر توحید محض بے کار ہے۔ ربّ تعالیٰ کو معلوم تھا۔ کہ آخر ابلیس مردود ہوگا۔ مگر پہلے اُسے موحّد، مولوی، صُوفی، عابد، زاہد بنایا۔ اپنا قرب عطا فرمایا۔ اور پھر پیغمبر کی توہین کے جُرم میں راندۂ درگاہ کر دیا۔ آخر کیوں؟

صرف اس لئے کہ تا قیامت ہر صُوفی، ہر عالم، ہر زاہد اور ہر عابد کے لئے عبرت ہو۔ کہ بارگاہِ نبی ایسی نازک ہے۔ کہ یہاں کی بے ادبی کرنے والے ایسے برباد ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام عرش سے نازک ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

۲-: اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام موحّد نہ رکھا۔ نمازی نہ رکھا، غازی نہ رکھا۔ بلکہ مؤمن و مسلم رکھا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے پکارا، تاکہ پتہ لگے۔ کہ موحّد نہ بننا۔ ورنہ مارے جاؤگے، مومن بن کر رہنا خود فرماتا ہے۔: ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ فی زمانہ جو اپنے کو موحد کہتے ہیں۔ اُس سے نصیحت حاصل کریں ۞

عصائے موسوی کے لئے موسیٰ علیہ السّلام کا ہاتھ چاہیئے۔ تب اپنا کمال دکھائے گا۔ ایسے ہی لا الٰہ الّا اللّٰہ کے لیئے وہ زبان و دل چاہیئے۔ جس میں

محمد رسول اللہ کی جلوہ گری ہو۔ تب اُس کا نور ظاہر ہوگا۔ ورنہ ہر آریہ، ہر توحید پرست لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا کرتا ہے ؕ

۳:۔ قبر میں پہلا سوال ہوتا ہے ۔: مَنْ رَّبُّكَ ؟ بندہ کہتا ہے ۔ کہ ربّ میرا اللہ ہے ۔ لیکن ابھی پاس نہیں ہوا ۔ اور دُوسرا سوال ہوتا ہے :۔ مَا دِیْنُكَ ؟ دین تیرا کیا ہے ؟ لیکن ابھی پاس نہیں ہوا ۔ آخری سوال جس پر دائمی کامیابی کا مدار ہے ۔ یہ وُہ ہے ۔ کہ ماتقول فی حق ھٰذا الرّجل ؕ اِس کالی زلفوں والے سنہری جالیوں والے محبُوب کو کیا کہتا تھا ؟

بندہ عرض کرتا ہے ۔ کہ وُہ تو میرے پیارے محبُوب حضُور محمد مُصطفٰی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہیں ۔ تب کامیاب ہوتا ہے ۔ اگر صرف عقیدۂ توحید کافی تھا ۔ تو وُہ پہلے سوال میں آگئی تھی ۔ معلوم ہوا ۔ کہ ایمان پیغمبر کے ماننے کا نام ہے ؕ

۴:۔ ربّ فرماتا ہے :۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ؕ یعنی اے پیارے تمہارے ربّ کی قسم یہ لوگ اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے ۔ جب تک کہ اپنے سارے اختلافات میں تم کو اپنا حاکم نہ مان لیں ۔ پھر تمہارے فیصلے سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں ۔ اور سر تسلیم خم کر دیں ؕ

دیکھو یہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ بن زبیر اور ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی ۔ جن کا جھگڑا کھیت کے پانی دینے میں تھا ۔ حضُور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے عبداللہ بن زبیر کے حق میں فیصلہ فرمایا ۔ جس پر انصاری کچھ ناراض ہوئے ۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی ؕ

دیکھو وُہ انصاری توحید کے قائل تھے ۔ جنت ، دوزخ کے معتقد تھے ۔ قیامت کے منکر نہ تھے ۔ حضُور علیہ السّلام کے ایک فیصلہ سے کچھ کبیدہ خاطر

ہُوئے ۔ تو قرآن نے یہ فتویٰ دیا ۔

آج بادشاہ کے فیصلہ کی اپیل کی جاتی ہے ۔ مگر حضور علیہ السلام کے فیصلہ کی کوئی اپیل نہیں ۔ قرآن کریم نے فرمایا ۔ کہ جو بارگاہِ مُصطفٰے صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم میں اُونچی آواز سے بولیں ۔ وُہ بھی ایمان سے خارج ہیں ۔ اُن کے عمل برباد ۔ حضور علیہ السّلام جس کا نکاح جس سے چاہیں ۔ فرمادیں نہ لڑکی کو انکار کا حق، نہ لڑکے کو، اگر انکار کیا ۔ تو اِسلام کا خطرہ ہے :۔ مَاکَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ ۔ معلوم ہُوا ۔ کہ توحید جب ہی کار آمد ہے ۔ جب کہ ایمان ساتھ میں ہو ۔ ورنہ بالکل بے کار ہے ۔

۵ ۔: ڈبہ اگر فسٹ کلاس کا ہو ۔ اگر انجن سے وابستہ نہیں ہے ۔ تو اُس کا کچھ کرایہ نہیں ۔ اگر ڈبہ مال گاڑی یا تھرڈ کلاس کا ہو ۔ مگر انجن سے وابستہ ہو ۔ تو اُس کا کرایہ بھی ہے ۔ اور قیمت بھی ہے ۔ اِسی طرح اگر نمازی، غازی، حاجی، موحد، نبی کے قدم سے لگا ہُوا نہ ہو ۔ تو مردُود ہے ۔ اور اگر مجھ جیسا گنہگار بھی ہو ۔ لیکن اُسے دامنِ پاک سے وابستگی ہو جائے ۔ تو مؤمن ہے ۔

دیکھو شیطان کے پاس ساری عبادات تھیں ۔ مگر وُہ آدم علیہ السّلام کے دامن سے وابستہ نہ ہو ۔ تو اُن عبادات کا نتیجہ کیا ملا ؟ لاحول تا قیامت ذلّت اور حضرت عکرمہ یعنی ابو جہل کے فرزند کو جب وُہ دامن مل گیا ۔ تو اُس کا نتیجہ دنیا میں ہُوا ؟ رضی اللہ تعالٰی عنہٗ ۔ اور آخرت میں جو ملے گا ۔ وُہ دُنیا دیکھے گی ۔

حقیقت ہے ۔ کہ جدھر اُن کی نگاہ اُدھر ہی خلقِ خُدا ، بلکہ اُدھر ہی خُدا ،

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہر ذرّہ دِل بن جاتا ہے ہر چیز نظر ہو جاتی ہے!
اُٹھتی ہیں جدھر اُن کی نظریں کونین اُدھر ہو جاتی ہے

نوٹ :- ہم نے جو کہا۔ کہ حضور مصطفٰی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ماننا ایمان ہے۔ اِس میں غور طلب بات یہ ہے۔ کہ اُنہیں کیا ماننا؟ خیال رہے۔ کہ اُنہیں محض بشر ماننا، محض انسان ماننا، اپنے جیسا ماننا، اپنا بھائی ماننا، اِس سے ایمان نہیں ملتا، سب سے پہلے بشر کہنے والا ابلیس تھا۔ مَا كُنْتُ لِاَسْجُدَ لِبَشَرٍ اسی طرح تمام کفار انبیاء کو بشر ہی کہتے تھے۔: اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا ۵ چاہیئے تھا۔ کہ وُہ سب مومن ہو تے۔ قرآن کریم سے ہی پُوچھو۔ کہ کیا ماننا ایمان ہے۔ فرمایا۔: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ ۵ یہ لوگ آپ کو اپنا مطلق حاکم بغیر مانے مومن نہیں ہو سکتے۔ فرماتا ہے:۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ، شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۵ ہم نے آپ کو گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا رب کی طرف بُلانے والا چمکتا ہُوا سُورج بنا کر بھیجا۔ لہٰذا اُسے رسول مانو، نبی مانو، شفیع المذنبین مانو۔ ربّ کا سچّا سُورج مانو، غرض کہ اُنہیں ایسے القاب سے یاد کرو۔ جس سے کسی امیر وزیر، سلطان اور کسی فرد و بشر کو نہ پکار سکو۔ کیونکہ دُولہا برات میں ایک ہی ہوتا ہے۔ باقی اُس کے طفیلی، کوئی مہمان بن کر، کوئی باجہ بجا کر، کوئی دُولہا کا مکین بن کر، کوئی نکاح خواں بن کر، کوئی دُولہا کا عزیز رشتے دار بن کر غرضیکہ دُولہا کا بن کر برات میں شرکت کرتا ہے۔ اور اُس سے نفع اُٹھاتا ہے۔ جتنا دُولہا سے قُرب اِتنا اُس کا حصّہ ڈوم، میراثی

کچھ پیسے پاتے ہیں۔ مہمان صرف کھانا، نکاح خواں کچھ روپیہ، کمین نقدی، عزیز جوڑے کے حق دار بنتے ہیں۔ غرض کہ جسے جو ملتا ہے۔ وہ دُولہا کے طفیل ملتا ہے ؛

ایسے ہی حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم عالم کے دُولہا ہیں۔ علماء، صلحاء، صوفیاء، شہداء، ہم جیسے گنہگاروں، غرض کہ سب کو جو ملے گا۔ وہ انہیں کے طفیل، اِس لیئے سب کو مومن کی صفت سے پُکارا جاتا ہے۔ یعنی ہماری رحمت کے مستحق تم جب ہی ہو سکتے ہو۔ جب اُن سے وابستہ ہو جاؤ۔ بادام کا چھلکا جب تک مغز کے ساتھ ہے قیمتی ہے۔ جب اُس سے علیحدہ ہُوا۔ پھینک دیا گیا۔ اِتَّقُوا اللہ اتقوا وَقیٰ سے بنا۔ جس کے معنی بچنا بھی ہیں۔ اور ڈرنا بھی، بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں ڈرنا مراد ہے۔ کیونکہ اُس کے بعد اللہ کا ذکر ہے نہ کہ عذاب کا، اور اللہ سے ڈرا جاتا ہے۔ بچا نہیں جاتا۔ لیکن اگر بچنا مراد ہو۔ تو یہاں عذاب پوشیدہ ہوگا۔ یعنی اللہ سے ڈرو، یا اللہ کے عذاب سے بچو ؛

خیال رہے۔ کہ خدا کا خوف اور تقویٰ دو قسم کا ہے۔ ظاہری اور باطنی تقویٰ ظاہری وُہ ہے۔ جس کا تعلق قالب سے ہے۔ اور تقویٰ باطنی وُہ ہے۔ جس کا تعلق قلب سے ہے۔ تقویٰ ظاہری کے لئے تمام شرعی احکام ہیں۔ یعنی جن چیزوں سے ربّ تعالیٰ ناراض ہو۔ اُن سے بچنے اور ربّ تعالیٰ کے رضا کے کام کرے ؛

اس تقویٰ ظاہری کی چار قسمیں ہیں۔ شرک و کفر سے بچنا، یہ تقویٰ ہر مؤمن کو حاصل ہے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اِس سے انسان کو دوزخ میں ہمیشگی نہ ہو گی۔ دُوسرے حرام چیزوں سے بچنا یہ متقی مسلمان کو حاصل ہے۔ نہ

کہ فاسق کو۔ اُس کا انجام مغفرت سیّات ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ۞ اگر تم گناہ کبیرہ سے بچوگے۔ تو تمہارے چھوٹے گناہ ہم معاف کردیں گے۔ تیسرے گناہ صغائر سے بھی بچنا۔ یہ تقویٰ اولیاءُ اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔ اُس کا نتیجہ خوف قبر، وحشتِ قبر، وحشتِ پُل صراط سے بچنا، اور جنّت کے بلند درجات کا پانا ہے۔ چوتھے غیر خدا سے بچنا، یہ تقویٰ انبیاء کرام یا خاص الخاص بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ کہ وُہ دینی، دُنیاوی کوئی کام بھی اپنے نفس کے لیئے نہیں کرتے۔ سب ربّ تعالیٰ کے لیئے کرتے ہیں ؛

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا فرزند ارجمند کی قُربانی کرنا، حضرت صدیق اکبر کا غار میں سانپ سے کٹوانا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور علیہ السّلام کی نیند پر نماز عصر قربان کرڈالنا، اِس تقویٰ کی جلوہ گری ہے۔ اِس کو تقویٰ کا انجام ربّ تعالیٰ کا قرب خاص ہے۔ اِس آیت میں ہر قسم کے آدمی کو اُس کے لائق تقویٰ کا حکم ہے۔ یعنی اے کافر! خدا سے ڈر، مومن بن جا۔ اے گناہگار مسلمان خدا سے ڈر گناہ چھوڑ دے۔ اور کبیرہ گناہوں سے بچنے والے! خدا سے ڈر! گناہِ صغیرہ بھی چھوڑ دے۔ غرض کہ یہ جُز ساری شریعت کو اپنے میں لیئے ہوُئے ہے ؛

تقویٰ باطنی کے لیئے تمام طریقت در حقیقت و معرفت کے احکام میں تقویٰ باطنی کی حقیقت اللہ اور اُس کے پیارے بندوں، اس کی پیاری چیزوں کی دل سے عظمت اور محبّت ہے۔ اگر دل میں حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کی ہر نسبت رکھنے والی چیز کی عظمت نہ ہو۔ تو اگرچہ لاکھ نمازی ہو۔ اور مگر دل کا متقی نہیں۔ جیسا کہ شیطان کے حال سے معلُوم ہو۔ ربّ

تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ اِس آیت میں یہ تقویٰ مُراد ہو سکتا ہے۔ غرض کہ اِتَّقُوا اللّٰهَ شریعت طریقت، حقیقت، معرفت سب کی جامع ہے۔ ربّ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔ کہنا آسان ہے مگر عمل کرنا مشکل ہے۔

جیسے ظاہر بدن اُسی کا درست رہ سکتا ہے۔ جس کے دل و دماغ اور جگہ وغیرہ اندرونی اعضاء میں بیماری نہ ہو۔ اِسی طرح ظاہری تقویٰ اسی کا کارآمد ہو سکتا ہے۔ جسے باطنی تقویٰ میسّر ہو۔

صُوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ گنہگار خدا سے نااُمید نہ ہو۔ کیونکہ وُہ غفار ستّار بھی ہے۔ اور نیک کار اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو۔ کیونکہ وُہ ربّ قہار و جبار بھی ہے۔ غرض کہ اِتَّقُوا اللّٰهَ کا حکم نہایت ہی عام ہے۔ سارے پرہیزگار اور گنہگار لوگوں کو شامل ہے۔

وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ یہ دُوسرا حکم ہے یعنی سچّوں کے ساتھ رہو۔ یا تو اُس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ سے خوف کرو۔ اور خوف کہاں ملتا ہے۔ سچّوں کے پاس۔ ہر چیز کا بازار علیحدہ ہوتا ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کا بازار صحبتِ ابرار ہے یا یہ مطلب ہے۔ کہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرکے مطمئن نہ ہو جاؤ۔ اس کا نام دنیا ہے۔ یہاں بڑے بڑے قافلے لُٹ گئے ہیں۔ اپنے اعمال و ایمان کی حفاظت کی کوشش کرو۔ اُسے محفوظ قلعہ میں رکھو۔ اور اعمال و ایمان کا حفاظتی قلعہ نیکوں کی صُحبت ہے۔ یہ وُہ جگہ ہے۔ کہ جس پر شیطان راندہ کا بس نہیں چلتا۔

كُوْنُوْا میں دو احتمال ہیں، ہو جاؤ، یا رہو، یعنی سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یا سچّوں کے ساتھ رہو۔ یعنی وُہ ہی عقائد اختیار کرو۔ وُہ ہی اعمال کرو۔ جو

سچوں کے عقائد و اعمال ہیں۔ اسی راستہ پر چلو۔ جو سچوں کا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ جس سے معلوم ہوا۔ کہ رب کا سیدھا راستہ وہی ہے۔ جو اس کے نیک بندوں کا ہو۔ بے شک قرآن و حدیث ہدائیت کے لئے کافی ہیں۔ مگر اس کا وہی مطلب نکالو۔ جو عام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف نہ ہو۔

آج قادیانی، دیوبندی کہتے ہیں۔ کہ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے معنے یہ نہیں۔ کہ حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم آخری نبی ہیں۔ بلکہ یہ کہ آپ اصلی نبی ہیں۔ یہ تفسیر عقیدۂ مسلمین کے خلاف ہے۔ اُسے نہ سُنو۔ غیر مقلد کہتے ہیں۔ تقلید شخصی کفر و شرک ہے۔ صرف قرآن و حدیث کافی:۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۝ یہ بھی عام مسلمانوں کے عقیدے و عمل کے خلاف ہے۔ سارے محدثین، فقہاء مفسرین و صوفیاء مقلد گزرے۔ لہذا یہ تفسیر غلط ہے۔ سارے دیوبندی کہتے ہیں۔ کہ غیر خدا سے مدد لینا کفر ہے۔: وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔ یہ تفسیر بھی عام مسلمانوں کے عقیدے و عمل کے خلاف ہے۔ سارے فقہاء، محدثین صوفیاء و مفسرین اور عام مسلمان اللہ کے نیک بندوں سے مدد لیتے رہے۔ لہذا یہ تفسیر غلط ہے۔

غرض کہ یہ قرآنی حکم ایسا اعلیٰ ہے۔ جس پر عمل کرنے سے انسان کبھی گمراہ ہو سکتا ہی نہیں۔ آج ۷۲ فرقے مسلمانوں میں اسی لئے بن گئے۔ کہ ہم نے سچوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ہر فرقہ اپنے ہاتھ میں قرآن و حدیث لیئے ہوئے ہے۔ لیکن مسلمان اگر اس قاعدے کو مضبوط پکڑے پکڑے رہے۔ تو گمراہی سے بچے رہیں گے۔

خیال رکھو۔ کہ علماء ہر فرقہ میں موجود ہیں۔ شیطان خود بڑا علم والا ہے۔

مگر صوفیاء، اولیاء سوائے حق فرقہ کے کسی میں نہیں۔ جب تک دین موسوی منسوخ نہیں ہؤا تھا۔ تب تک اس میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوئے۔ اصحاب کہف، حضرت مریم، آصف ابن برخیا سب بنی اسرائیل ہی میں ہوئے۔ مگر جب سے وُہ دین منسوخ ہوگیا۔ ولائیت بھی اُس سے ختم ہو گئی۔ اِس طرح اسلام میں آج ۷۳ فرقوں میں سے سوائے مذہب اہل سنت کے اولیاء اللہ کسی میں نہیں۔

دیوبندی، وہابی، قادیانی، چکڑالوی وغیرہ میں اولیاء کہیں نہیں۔ اہل سنت میں سارے اولیاء اللہ گزرے۔ اور اب بھی اولیاء اللہ صادقین کی اعلیٰ جماعت میں اُن کے ساتھ رہو۔ کیونکہ علماء سُن کر کہتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ دیکھ کر ؀

سچوں کے ساتھ رہنا تین طرح کا ہے :۔ (۱) جسمانی (۲) جنانی (۳) رُوحانی ؀

اُن کی مجلس میں حاضری دینا جسمانی ہمراہی ہے۔ اُن سے محبّت رکھنا جنانی اور دلی ہمراہی ہے۔ اُن کے سے عقیدے واعمال اختیار کرنا روحانی ہمراہی ہے۔ اگر تینوں قسم کی ہمراہی نصیب ہو جاوے۔ تو رہے نصیب۔ ورنہ دلی اور رُوحی ہمراہی کے بغیر جسمانی ہمراہی بیکار ہے ؀

ابو جہل جسماً حضور علیہ السّلام سے قریب رہا۔ اور حضرت اویس قرنی جسماً دُور رہے۔ مگر قلبی معاملہ الٹا تھا۔ کہ ابو جہل دُور تھا۔ اور حضرت اویس قرنی پاس، لہٰذا وُہ مردُود ہؤا۔ اور اویس محبُوب ہے۔ اِس آئیت کا مطلب یہ ہؤا۔ کہ عقائد میں اعمال میں سچوں کے ساتھ رہے ؀

لطیفہ :۔ کسی نے ایک واعظ سے پُوچھا کہ مومن کا دل کہاں رہتا ہے؟ اُس نے کہا۔ بائیں پہلو میں پستان کے نیچے۔ وُہ بولا کہ اُس جگہ تو کافر

مُشرک اور مُنافق کا دل بھی ہوتا ہے۔ مَیں تو مومن کے دل کی جگہ پُوچھ رہا ہوں۔ اگر اس کا دِل بھی یہاں ہی ہو۔ تو مومن اور کافر میں فرق کیا رہا۔ ؟ واعظ صاحب خاموش ہو گئے ؂

مجمع میں کوئی اہل دل بھی تھا۔ وُہ بولا۔ کہ مؤمن کا دل دلبر کے پاس رہتا ہے۔ اور عارف کے دل میں دلبر رہتا ہے۔ مؤمن کے دل کا مقام دلبر کا آستانہ ہے۔ اور عارف کا دل دلبر کا شانہ ہے۔: القلب بین اصبعین من اصابع الرحمٰن ؂ حدیثِ پاک کا فرمان ہے۔ ؎

ہو سامنے روضہ کی جالی وُہ دن وُہ مہینہ آجائے
یا دل ہی مدینہ جا پہنچے یا دل میں مدینہ آجائے
سینے میں جو آجاؤ بن آئے مرے دل کی
سینہ تو مدینہ ہو دل اُس کا ہو سودائی
یہ دل ہو خدا کا گھر سینہ ہو ترا مسکن
پھر کعبہ و طیبہ کی پہلو میں ہو یکجائی!

غرض کہ سچّوں کے ساتھ رہو۔ تو اِس طرح کہ دِل میں صادق کو لے لو یا دل صادق کو دے دو ؎

صد کتاب و صد ورق در نار کُن
روئے دل را جانب دلدار کُن

اِنسانی فطرت ہے۔ کہ صحبت کا اثر لیتا ہے۔ چوروں کے پاس بیٹھنے والا چور، بن جاتا ہے۔ عالم اور شاعروں کی صحبت میں اِنسان عالم و شاعر بن جاتا ہے تو اگر سچّوں کے ساتھ رہے گا۔ تو اِنشاءاللہ سچّا بن جاوے گا ؂

صحبت کا اثر تو بے جان چیزوں پر بھی پڑ جاتا ہے۔ دیکھو یُوسف

علیہ السلام کی قمیض میں نابینا آنکھ کو بینا کرنے کی خاصیت کیوں پیدا ہوئی صرف اِس لئے کہ وہ سچے کے پاس رہی۔ اور جبرئیل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک میں بے جان بچھڑے کو جان بخشنے کی تاثیر کیوں ہوئی؟ اِس لئے کہ اُسے سچے سے دُور کا علاقہ ہوا۔ جب بے جان مٹی اور کپڑے ہیں۔ صُحبت کا اثر آگیا۔ تو انسان پھر بھی عقل والا ہے۔ ضرور اثر لے گا۔

صُوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ ساری عبادات سے پڑھ کر اچھا ساتھ ایمان کا ہے۔ دیکھو قرآن، کعبہ شریف کا دیکھنے والا صحابی نہیں ہوتا۔ مگر ایمان کے ساتھ نبی کے پاس ایک ساعت بیٹھ لے۔ صحابی ہوگیا۔ اور صحابی تمام اولیاء اللہ سے افضل ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی تمام چیزیں موجود ہیں۔ کعبہ، روزہ، نماز، قرآن مگر صحابیت ختم ہو چکی۔ کیونکہ صحبتِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ختم ہوگئی۔ صحبت ہوگئی۔ صحبت اور قرب رب کی وہ نعمت ہے۔ جس سے کایا پلٹ جاتی ہے۔ دیکھو پانی کی طبیعت ٹھنڈی اور تر ہے۔ اور آگ کی طبیعت گرم و خشک۔ لیکن جب پانی آگ پر رکھ دیا جاوے۔ تو آگ کی طرح اثر کرتا ہے۔ جسم پر آبلہ ڈال دیتا ہے۔ یہ پانی کا اثر نہیں۔ بلکہ آگ کے قرب کا اثر ہے۔

اِنسان فطرتاً کمزور ہوتا ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ لیکن جب اُسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ تو ربانی قوتوں سے کام کرتا ہے۔ جیساکہ حدیث قدسی میں وارد ہوا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ سے چاند چیرا، سورج واپس کیا۔ یہ فطرتِ انسانی کی طاقت نہ تھی۔ بلکہ ربانی قدرت کا ظہور تھا۔

سلطنت کے حکام کی طاقت اپنے اعضاء کی طاقت نہیں بلکہ حکومت سے نسبت کی طاقت ہے تو جو حکومت

ربانی کے حکام ہوں۔ اُن کا کیا پوچھنا ؛

اولیاء اللہ اور اَولیاءَ مِنْ دُونِ اللّٰہِ میں فرق نہ کرنا جہالت ہے۔ اولیاء من دون اللہ رب تعالیٰ سے دُور ہیں۔ شیطان سے قریب، اور اولیاء اللہ شیطان سے دُور ہیں۔ رب تعالیٰ سے قریب ہم اُن میں سے جس کو دوست بنائیں گے۔ اسی کے رنگ میں رنگے جائیں گے ؛

حکایت:۔ مثنوی شریف میں ہے۔ کہ ایک عابد رب کی یاد میں مشغول تھا۔ اُس کے پاس شیطان آکر بولا۔ کہ تو کسے یاد کر رہا ہے ؟ اُس نے جواب دیا کہ رب تعالیٰ کو شیطان بولا۔ کہ تو نے اتنا عرصہ اُسے پکارا۔ کبھی اُس نے جواب میں لبیک کہا۔ ؟ عابد بولا۔ کہ آج تک تو میں نے نہیں سُنا شیطان بولا۔ کہ ایسے کو پکارنے سے کیا فائدہ ؟ جو پکار کا جواب نہ دے۔ تو مجھے پکار۔ اور مجھ سے قرب حاصل کر!

دیکھ میں لبیک کہتا ہوں یا نہیں۔ عابد اُس کے بہکانے میں آگیا۔ اور اُس دن اُس نے نمازِ عشاء نہ پڑھی۔ خواب میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ کہ تُو نے آج نماز کیوں نہ پڑھی ؟ عابد نے جواب دیا۔ کہ جب تو میری پکار پر لبیک ہی نہیں کہتا۔ تو مجھے پکارنا بیکار ہے۔ جواب ملا ؎

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست

ایں گداز و سوز دور دانہ بیک ماست

حکایت:۔ اسی مثنوی شریف میں ہے۔ کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہ کے گھر جماعت صحابہ کی دعوت تھی۔ کپڑے کا دسترخوان جو لایا گیا۔ وُہ میلا تھا۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ کہ ٹھہر جاؤ۔ میں اُسے صاف کر دوں۔ کہہ کر اُسے جلے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔ اور کچھ دیر بعد نکالا۔ تو اُس کا میل تو جل گیا تھا۔

لیکن کپڑا بالکل محفوظ تھا ؛

لوگوں نے تعجب سے پُوچھا :۔ ؎

قوم گفتند اے صحابی عزیز

چوں نہ سوزند و منقیٰ گشت نیز

گفت روزے مُصطفیٰ دست و دہاں

پس بمالید اندریں دستار خواں

اے دِل ترسندہ از نارِ عذاب

باچنیں دست و دہانِ کن اقتراب

ہم چوں جامہ را چنیں تشریف داد

پس دِل عاشق چناں خواہد کشاد

یعنی اے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دستر خوان جلا کیوں نہیں ؟ اور صاف کیوں ہو گیا ؟ فرمایا ۔ کہ ایک دن حضور مُصطفیٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس سے اپنا منہ اور ہاتھ پونچھ لیا تھا ۔ اِس روز سے یہ آگ میں نہیں جلا کرتا ۔ اے دل اگر تو بھی دوزخ کی آگ سے ڈرتا ہے ۔ تو ایسے مبارک منہ اور ہاتھ شریف کا قرُب حاصل کر لے ۔ جب بے جان کپڑے کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قرب سے یہ فیض حاصل ہو گیا ۔ تو تُو عاشِق مؤمن ہے ۔ تجھے کیا کچھ نہ ملے گا ؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

ترجمہ :- سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں ۔ لہذا اپنے بھائیوں میں صُلح کرو۔
اور اللہ سے ڈرو، شائد تم رحم کیے جاؤ ۔

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے صُلح کرانے کا حکم دیا ہے ۔ اس جگہ چند چیزوں پر غور کرنا ہے ۔ مُومن کون لوگ ہیں ؟ اخوت یعنی بھائیوں سے کیا مراد ہے ۔ اَصْلِحُوْا یعنی صلح کرادو ۔ اُس کا کیا مطلب ہے ؟

خیال رہے ۔ کہ اِس سے پہلے یہ حکم دیا گیا تھا ۔ کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں ۔ تو اُن میں صلح کرا دو ۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے ۔ کہ چونکہ مسلمان لڑنے ، خون خرابہ کرنے کے بعد بھی مسلمان ہی رہتا ہے ۔ اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے ۔ اِس لیے اُس میں صلح کرا دینا ضروری ہے ۔ گویا پہلے حکم تھا ۔ اور اب وجہ حکم کا بیان ہے ۔ اِس مناسبت سے اِس آیت کے بعد اس آیت کا ذِکر فرمایا گیا ۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے ۔ کہ چونکہ مسلمان لڑنے ، خون خرابہ کرنے کے بعد بھی مسلمان ہی رہتا ہے ۔ اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے ۔ اِس لیے اِس میں صلح کرا دینا ضروری ہے ۔ گویا پہلے حکم تھا ۔ اور اب وجہ حکم کا بیان ہے ۔ اس مناسبت سے اس آیت کے بعد اس آیت کا ذکر فرمایا گیا ۔

مُؤْمِنُوْنَ سے مُراد ساری اُمت رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہے ۔ خُود نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اِس میں داخل نہیں ۔ کیونکہ قرآن کریم میں جہاں يَآ اَيُّهَا

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا جاوے۔ یا مُؤْمِنُوْنَ بولا جاوے۔ وہاں نبی مراد نہیں ہوتے چند وجہ سے ؛

ایک یہ کہ نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو جہاں پکارنا ہوتا ہے۔ وہاں یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ: یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۵ فرمایا جاتا ہے۔ عام خطاب سے حضور علیہ السّلام کو پکارا ہی نہیں جاتا۔ ہم کو بھی حکم دیا ہے۔ کہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۵ یعنی پیغمبر کو نہ پکارو۔ جیسے ایک دوسرے کو پکار لیتے ہو۔ دوسرے اس لئے کہ اکثر جگہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ کے بعد ایسے احکام بیان ہوتے ہیں۔ جو حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر جاری نہیں ہو سکتے۔ جیسے اے ایمان والو۔ اللہ رسول اور امر والوں کی اطاعت کرو۔ یا ایمان والو! نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی آواز پر اپنی آوازیں اُونچی نہ کرو۔ یا اے ایمان والو! اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ احکام حضور علیہ السّلام پر جاری نہیں ہو سکتے ؛

اسی طرح یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ، اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۵ میں بھی حضور علیہ السّلام سے خطاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قصاص ظلم کے بدلہ میں بھی ہوتا ہے۔ اور ظلم کرنا گناہ ہے۔ نبی گناہ سے معصوم ہیں۔ اگر نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کسی کو کچھ سزا دیں۔ تو قصاص نہیں۔ کہ جب اُستاد شاگرد کو، باپ اولاد کو، مولیٰ اپنے غلام کو قصاص نہیں دیتا۔ تو پیغمبر اُمتی کو قصاص کیوں کر دیں۔ اور جمعہ کی نماز میں سب کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف بلایا گیا ہے۔ حضور ہی تو ذکر اللہ ہیں۔ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) ؛

تیسرے اس لئے کہ نماز وغیرہ کے احکام پر حضور علیہ السّلام نزولِ قرآن

سے پہلے ہی عامل تھے۔ پھر آپ کو یہ احکام دینا بے معنی ہیں ؎

سرکار نے بچپن شریف میں بھائیوں کے لیئے پستان چھوڑا سے
بھائیوں کے لیئے ترکِ پستان کریں
بچنے کی شرافت پہ لاکھوں سلام

ظہور نبوّت سے پہلے نماز، روزہ، چلہ کشی غرض سارے احکام پر عمل فرمایا۔ لہٰذا اُن احکام کی آیتوں میں بھی اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے حضور مراد نہیں۔ نیز اٰمَنُوْا سے مراد وُہ لوگ ہیں۔ جو دنیا میں آکر ایمان لائے۔ اور حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ایمان لاکر دنیا میں تشریف لائے۔ اٰمَنُوْا سے وُہ لوگ مراد ہیں۔ جن کا ایمان بالغیب ہے۔ نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا شہودی ہے۔ کہ ربّ تعالیٰ کو جنت، دوزخ، قیامت سب کو ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح یہاں مُؤْمِنُوْنَ میں حضوؐر کی اُمّت داخل ہے۔ خود نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم داخل نہیں۔ لہٰذا حضوؐر صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بھائی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سارے مسلمانوں کو دینی بھائی بنا دیا۔ اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی نہیں۔ دیکھو شیطان بھی اللہ کا بندہ ہے۔ اور تمام جانور بھی اللہ کے بندے ہیں۔ کوئی شریف انسان اُن کا بھائی بننا پسند نہ کرے گا۔ مگر حضوؐر علیہ السّلام کے اُمّتی آپس میں بھائی ہیں۔ اور جو دُوسروں کو بھائی بنائے۔ وُہ خود نہیں ہوتا۔ جیسے باپ نے اپنی اولاد کو آپس میں ایک دُوسرے کا بھائی بنا دیا۔

لیکن خود باپ اُن میں سے کسی کا بھائی نہ بنا۔ بھائیوں کی بیوی بھابی کہلائی۔ اور حلال رہی۔ مگر باپ کی بیوی ماں کہلائی۔ اور ہم پر حرام رہی۔ حضوؐر کی بیویاں ہماری مائیں ہیں۔ اور ہم پر حرام ہیں۔ تو نبی صلّی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلّم اِس حکم میں داخل نہیں ؛

نیز اگر اِس حکم میں حضور بھی داخل ہوں ۔ تو آیت کے معنی فاسد ہو جائیں گے ۔ کیونکہ مقصد یہ ہے ۔ کہ اگر دو مسلمان بھائی آپس میں لڑیں ، گالی گلوچ کریں ۔ مار پیٹ کریں ۔ تو اُن کی صلح کرا دو ۔ اب مطلب یہ ہو جائے گا ۔ کہ اگر کوئی اُمتی نبی سے لڑے ۔ تو اُس اُمتی اور نبی کی صلح کرا دو ۔ حالانکہ نبی سے لڑنے والا تو کیا اُن کے سامنے بے ادبی سے چیخ کر بولنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے ۔ جیسا کہ اِسی سُورت میں آ چکا ہے ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ ؛ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ ؛ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ؛ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۵ فرمایا جاتا ہے ۔ عام خطاب سے حضور علیہ السّلام کو پکارا ہی نہیں جاتا ۔ ہم کو بھی حکم دیا ہے :۔ کہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۵ یعنی پیغمبر کو نہ پُکارو ۔ جیسے ایک دُوسرے کو پکار لیتے ہو ۔ دُوسرے اُس لئے کہ اکثر جگہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ کے بعد ایسے احکام بیان ہوتے ہیں ۔ جو حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر جاری نہیں ہو سکتے ۔ جیسے اے ایمان والو ، اللہ ، رسول اور امر والوں کی اطاعت کرو ۔ یا اے ایمان والو ! نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی آواز پر اپنی آوازیں اُونچی نہ کرو ۔ اے ایمان والو ! اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو ۔ ظاہر ہے کہ یہ احکام حضور علیہ السّلام پر جاری نہیں ہو سکتے ؛

اِسی طرح یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ ۵ اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۵ میں بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے خطاب نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ قصاص ظلم کا بدلہ میں ہوتا ہے ۔ اور ظلم کرنا گناہ ہے ۔ نبی گناہ سے معصوم ہیں ۔ اگر نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کسی کو کچھ سزا

بعض روایات میں جو آتا ہے۔ کہ نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اپنی ذات کریمہ کے متعلق فرمایا۔ اَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ اپنے بھائیوں کی یعنی ہماری تعظیم کرو۔ صحابہ کرام سے فرمایا۔ کہ تم میرے صحابہ ہو۔ اور میرے بھائی وُہ ہوں گے۔ جو بعد کے زمانہ میں ہوں گے۔ اِس میں سرکار کی انتہائی تواضع ہے۔ یہ لفظ حضورؐ ہی کے منہ سے سجتا ہے۔ ہم ایسا کہیں۔ تو گُستاخ ہیں ؛

اگر بادشاہ اپنی رعایا سے کہے۔ کہ مَیں تمہارا خادم ہوں۔ تو یہ اُس کا کمال ہے۔ لیکن اگر رعایا میں سے کوئی اُسے اپنا خادم کہہ کر پکارے۔ تو مجرم ہے علمائے کرام اِس جیسی احادیث کی یہ توجیح فرماتے ہیں۔ کہ اُس میں اپنے غلاموں کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے ؛

حکایت :۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک بڑھیا گھبرائی ہوئی آئی۔ اور عرض کیا۔ کہ میرا پوتا چھت پر کھیلتے کھیلتے چھت کے بالکل کنارے تک پہنچ گیا ہے۔ اور اُس کی ماں اور سب ہی اُس کو بُلاتے ہیں۔ وُہ نہیں آتا۔ اگر ہم پکڑنے کے لئے اُس کی طرف جائیں۔ تو خطرہ ہے۔ کہ وُہ آگے بڑھ جاوے۔ اور گر جائے ؛

آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اُس کے کسی ہم عمر بچے کو اُس کے سامنے کرو۔ اور اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھو۔ تاکہ یہ اُدھر نہ پہنچ جائے۔ اور اُس کے پیچھے تم بیٹھو۔ جب وُہ بچہ اِدھر آجاوے۔ تو اُسے پکڑ لو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اِس تدبیر سے وُہ بچہ اِس طرف آگیا۔ اور ماں نے اُسے پکڑ لیا۔

تمام دنیا جہنم کے کنارہ پر پہنچ گئی تھی۔ مرتب تعالیٰ کی مرضی تھی۔ کہ یہ اِدھر سے ہٹ کر جنّت کے دروازہ پر آجاویں۔ اگر بلا واسطہ ربّ تعالیٰ انہیں اپنی طرف بلاتا۔ تو یہ لوگ ناجنس ہونے کی وجہ سے کبھی اِدھر نہ آتے۔

رب تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اُنہوں نے کبھی تو اعلان فرمایا۔ کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کبھی ہم کو بھائی فرمایا لوگ مناسبت جنسی دیکھ کر اُس طرف مائل ہوئے۔ حضور کا ہاتھ رب کے ہاتھ میں ہے۔ یہ لوگ اِدھر آئے۔ کہ رحمت خداوندی نے دستگیری فرما کر اُنہیں اپنے کرم میں لے لیا۔ خود فرماتا ہے:۔ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ؕ

ترجمہ:۔ تم جہنم کے کنارہ پر پہنچ چکے تھے۔ رب تعالیٰ نے تمہیں اُس سے بچا لیا ؛

نیز جن پیغمبروں کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ؕ کہ ہم نے قوم ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح علیہ السّلام کو بھیجا۔ وہاں نہ تو دینی بھائی چارہ ہے۔ نہ یہ کہ ان لوگوں کو اجازت دی گئی تھی۔ کہ نبی کو بھائی کہہ کر پکاریں۔ بلکہ محض یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ وہ دوسری جگہ سے نہ آئے تھے۔ بلکہ اسی قوم میں سے تھے ؛

یہ بھی خیال رہے۔ کہ مسلمان ، دو طرح کے ہیں قومی مسلمان اور دینی مسلمان۔ قومی مسلمان وہ جو اپنے کو مسلمان کہیں۔ اور مردم شماری میں ان کی گنتی مسلم قوم میں ہو۔ یہودی، عیسائی اور ہنود میں نہ ہو۔ مگر دینی مسلمان وہ ہیں۔ جو کسی ضروریات دین کا انکار نہ کریں۔ شریعت انہیں مسلمان کہتی ہو ؛

یہ ۲ دو قسم کے مسلمان زمانہ رسالت سے ہی چلے آرہے ہیں چنانچہ منافقین کو قوم مسلم میں شمار کیا جاتا تھا۔ کہ نہ اُن سے جہاد ہوا۔ نہ اُن سے کچھ تعرض کیا گیا۔ مگر مخلصین مؤمنین کو فضائل سے نوازا گیا ؛

آج بھی سب رافضی، وہابی قوم مسلم ہیں - اگرچہ شرعاً وہ دین سے خارج ہیں - مُرتد ہیں - اسی لئے نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا :- تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَۃً ؀

ترجمہ :- میری اُمت کے ۷۳ فرقے ہوں گے - ایک کے سوا سب دوزخی ہوں گے - اُن سب کو اپنی اُمت فرمایا - یہ قوماً اُمت ہے نہ کہ مذہباً ؛

یہاں اَلْمُؤْمِنُوْنَ میں صرف دینی مسلمان مراد ہیں - یعنی صحیح العقیدہ مسلمان کسی دنیاوی معاملہ میں لڑ جھگڑ پڑیں - تو اُن کی صُلح کرا دی جائے قومی مسلمان مراد نہیں - لہذا مرزائی، وہابی وغیرہ سے صلح نہ کی جاوے گی - اسی لئے ربّ تعالیٰ نے مُؤْمِنُوْنَ فرمایا - مُسْلِمُوْنَ نہ فرمایا - قومی مسلمانوں کے لیئے یہ یہ آیت پڑھو :- ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم ؀

تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں - اُن سے بچے رہنا - اُن سے صُلح کرنا تو کیا معنے، اُن کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا بھی حرام ہے - اُن کے بارے میں سرکار نے فرمایا :- اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ فَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ ؀

تم اُن سے دُور رہو - اُنہیں اپنے سے دُور رکھو - وہ تمہیں کہیں گمراہ نہ کر دیں - کہیں فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں ؛

بُری صحبت بُرائیوں کی جڑ ہے - مولانا فرماتے ہیں :- ؎

نوریاں مر نوریاں را طالب اند

ناریاں مر ناریاں را جاذب اند

یہ تفسیر مُؤْمِنُوْنَ کی تھی - جس کا لحاظ ضروری ہے - اِخْوَۃٌ یہ لفظ اَخٌ کی جمع ہے - اَخٌ کا ترجمہ ہے بھائی - عرب ایک اصل کی دو شاخوں کو اخ کہہ دیتے ہیں - اسی طرح ایک جنس کے دو فردوں کو اُخت یا اخ بول دیتے ہیں ؛

بھائی کئی طرح کے ہوتے ہیں:-

(۱) نسبتی بھائی ۞ (۲) دودھ شریکے بھائی یعنی رضاعی ۞

(۳) وطنی و ملکی بھائی ۞ (۴) قومی بھائی ۞ (۵) پیشہ کے بھائی۔

(۶) کاروبار کے بھائی ۞ (۷) اُستاد بھائی ۞ (۸) پیر بھائی (۹) دینی بھائی یعنی مسلمان بھائی۔ لیکن پہلے آٹھ بھائی چارے کمزور وفاتی ہیں۔ کہ قیامت میں نہ کام آویں۔ نہ قبر میں، لیکن دینی، بھائی ہونا، ایسا مضبوط رشتہ ہے۔ کہ ہر جگہ قائم رہتا ہے۔ اگر سگا بھائی کافر ہو۔ تو مسلمان بھائی نہ اُسے غسل دے نہ کفن، نہ دفن کرے۔ نہ اس کی میراث پاوے ۞

اجنبی مسلمان جس سے ہمارا کوئی رشتہ نہ ہو۔ اُس کا کفن دفن سب ضروری ہے۔ اُسی لیئے نماز کے آخر میں پڑھتے ہیں۔ ربّ اغفرلی ولوالدیّ ولجمیع المسلمین والمسلمات ۵ اے اللہ سارے مسلمانوں کو بخش دے۔ وہاں پیر بھائی، اُستاد بھائی، مُلکی بھائی کا ذکر نہیں۔ بلکہ ہر مسلمان کا ذکر ہے ۞

ایک باپ چند شخصوں کو بھائی بنا سکتا ہے۔ ایک ملک یا پیشہ یا اُستاد یا پیر تھوڑی جماعت کو بھائی بنا سکتا ہے۔ حضور سیّد عالم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلّم نے سارے جہان کے مسلمانوں کو بھائی بنا دیا۔ نہ قوم کی قید رکھی۔ نہ ملک کی، نہ زبان کی۔ ایسی زبان سے اخوت پیدا کرنے والا۔ نہ کوئی پیدا ہوا۔ اور نہ ہوگا۔ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ؛

چونکہ اور برادری کی بنیاد دنیا والوں پر تھی۔ اور دینی برادری کی بنیاد ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پر تھی۔ اور بنیاد کی مضبوطی سے دیوار کی پختگی ہوتی ہے۔ اسی لیئے دینی برادری مضبوط رہی۔ صحابہ کرام کی مقدس جماعت کو دیکھو۔ تو پتہ لگے گا۔ کہ

لگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

جیسے جلنے سے پہلے ہر لکڑی کے نام، کام اور قیمت علیحدہ تھی۔ مگر آگ لگنے کے بعد سب راکھ کہلائے شہد بننے سے پہلے ہر پھول کے رس کا نام کام، رنگ و بو میں الگ تھے۔ مگر شہد بننے کے بعد اب نہ گلاب رہا۔ نہ بیلا بیلا۔ بلکہ سب کا نام شہد ہو گیا ؎

اِسی طرح اسلام سے پہلے بلال حبشی اور ابُوبکر صدیق علیحدہ علیحدہ باغوں کے پھُول تھے۔ مگر صحبتِ پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے سب ایک ہو گئے۔ نگاہِ یار نے اُن سب کو ایک رنگ کر دیا ؎

صبغۃ اللہ ہست رنگِ خم او
ہشتہا یک رنگ گردد اندر او

اب نہ نسب کا فرق رہا۔ نہ قوم کا، نہ ملک کا ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی!
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ربّ تعالیٰ نے فرمایا۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ تم پچھلے کچھ بھی نہ تھے۔ اب تو ربّ تعالیٰ نے تم سب کا نام مسلمان رکھ دیا۔ اسی طرح قبر میں یہ نہیں پُوچھتے۔ کہ تم کِس کے بیٹے تھے۔ کِس ملک کے تھے؟ بلکہ یہ پوچھتے ہیں۔ کہ کِس کی اُمت میں تھے؟ اب ملک کہاں کا دولت کہاں کی، عاشقِ رسول کا تو یہ حال ہونا چاہیئے۔ کہ:؎

پُوچھا کہ تیرا نام کیا ؟
میں نے کہا شیدا تیرا
پُوچھا کہ تیرا کام کیا ؟
میں نے کہا چرچا تیرا
پُوچھا کہاں رہتا ہے تو ؟
میں بولا کوئے یار میں
پُوچھا کہ تیرا کیا پتہ ؟
میں نے کہا کوچہ تیرا
پُوچھا کہ تیری قوم کیا ؟
میں بولا قوم بندگاں
پُوچھا کہ تیری کیا غذا ؟
میں نے کہا سودا تیرا

من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم
بندۂ بارگاہِ سلطانیم !

اس لئے ارشاد ہُوا :- اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ۔

دُنیاوی بھائیوں کا یہ حال ہے۔ کہ بڑا آدمی چھوٹے آدمی کو بھائی نہیں بناتا۔ اگرچہ چھوٹا اس کا سگا بھائی ہو۔ لیکن دینی رشتہ ایسا ہے۔ جس نے امیر، غریب، گنہگار، پرہیزگاری، سب کو ایک کر دیا۔ اس رشتہ میں کوئی مُسلمان کسی مُسلمان سے نفرت نہیں کر سکتا۔ اسی لیئے دنیا میں تفریق ہے۔ اور دین میں جمع ہے۔ دُنیا میں کوئی تخت پر ہے، کوئی فرش پر کوئی فرشِ خاک پر اور کوئی محل میں ہے۔ کوئی جھونپڑے میں۔ لیکن مسجد میں کعبہ میں، قبرستان

میں سب ایک جگہ ہیں۔ وُہ دُنیا تھی یہ دین ہے ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمُود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و مالک و محتاج و غنی ایک ہُوئے

تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہُوئے

اِس آیت میں مُسلمانوں کو عجز و انکسار کی تعلیم دی گئی ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا ہو۔ مگر ہر چھوٹے سے چھوٹے مسلمان کو اپنا بھائی اور اپنے برابر جانے۔

اِنسان کی پیدائش خاک سے ہے۔ اور خاک میں عجز و نیاز ہے۔ کہ چاہے اِس پر مسجد بنا دو۔ یا پاخانہ۔ وُہ کچھ نہیں کہتی۔ اِس عجز کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ سارے پھل، پھول، باغ و بہار، چشمے، کانیں اِسی خاک سے پیدا ہُوئے۔ اور مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منورہ انبیاء، اولیاء کے مقابر عظام اِسی خاک پر واقعہ ہُوئے ۞

آگ میں تکبّر، غرُور، تڑپ ہے۔ جس کا انجام یہ ہُوا۔ کہ اِس میں نہ پھل لگے نہ پھُول، خاک سب کو بناتی ہے۔ اور آگ بگاڑتی ہے۔ باغ میں آگ لگا دو۔ تو برباد ہو جائے گا ۞

اِسی طرح عجز و انکسار والا اِنسان اپنے دل میں تقوٰی، طہارت، ایمان اور عرفان کے پھُول لگائے۔ اور متکبّر اِنسان اُن سب سے محروم رہے گا۔ اُسی لیئے متکبّر اِنسان کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ کیونکہ دُنیا میں اُس کے دل میں غرُور کی آگ تھی۔ آگ سے آگ مل گئی ۞

لطیفہ:۔ بڑے بڑے درخت یا تو پھل سے خالی رہتے ہیں۔ جیسے شیشم اور ببول وغیرہ یا بہت چھوٹے پھل پاتے ہیں۔ جیسے آم، چلغوزہ انار وغیرہ،

کیونکہ اُن میں گویا غرُور ہے۔ اکڑے کھڑے ہیں۔ اور کمزور معمُولی بیل جو عجز و نیاز سے سجدے میں پڑی رہتی ہے۔ اُسے رب تعالیٰ نے عجز کی وجہ سے بڑے بڑے پھل عطا فرمائے۔ بیس بیس سیر کے تربوز، کدو، پیٹھا، پھر بیل نے بزبانِ حال عرض کیا۔ کہ مولےٰ میں کمزور، اتنے وزنی پھل کا وزن نہیں اُٹھا سکتی۔ رب تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا۔ کہ اس کا پھل کا بوجھ تو اُٹھالے۔ عرض کیا۔ کہ پھل بیل کا اور بوجھ زمین کا ؎

یہ ہی حال عاجز اور متکبر انسان کا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ط سارے مسلمان بھائی ہیں ؎

فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ ط یہ گذشتہ مضمون کا نتیجہ ہے۔ یعنی چونکہ ہر مسلمان دُوسرے مسلمان کا بھی بھائی ہے۔ لہٰذا اگر دو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں۔ تو تم لوگ بیچ میں پڑ کر اُن کی صلح کرادو۔ کیونکہ مومن کی لڑائی، مومن سے عارضی ہو سکتی ہے۔ دائمی نہیں ہو سکتی۔ نمازیں، حج میں، موت میں، قبر میں، محشر میں، جنت میں ہر جگہ ایک دوسرے سے ملیں گے۔ نماز میں ہر مسلمان، دُوسرے مسلمان کے لئے بخشش کے لئے دُعا کرتا ہے۔ پھر دشمنی دائمی کیسے ہو سکتی ہے:۔ اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ مِنْ غِلٍّ: اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُتَقَابِلِیْنَ ط ہم اُن کے دلوں کی تمام کدورتیں نکال دیں گے۔ وُہ آپس میں بھائی ہو کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔ اور کافر کی دوستی خواہ مسلمان سے ہو۔ یا کافر سے۔ عارضی ہے۔ جس کا بقا نہیں۔ لہٰذا کافروں سے دوستی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اور مسلمان سے دشمنی نہ رکھو ؎

فاصلحوا میں خطاب یوں تو عام مسلمانوں سے ہے۔ کہ جب دُو مسلمان لڑ پڑیں۔ تو برادری والے، محلے والے کوشش کرکے صُلح کرا دیں۔

لیکن بادشاہ، حاکم، اُستاد، پیر، ماں باپ اور ذی اثر لوگوں سے مخصوص، خطاب ہے۔ کہ جب رعایا میں نا اتفاقی ہو۔ تو بادشاہ یا حاکم صُلح کرائے۔ اگر شاگرد لڑ پڑیں۔ تو اُستاد اور مُرید لڑ پڑیں۔ تو پیر اور نسبتی بھائی لڑیں۔ تو ماں باپ صلح کرادیں۔ اگر نہ کرائیں گے۔ تو ان کی قیامت میں پکڑ ہو گی۔

اگر صُلح کرانے کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے۔ مگر صُلح کی قسمیں اور اس کی صُورتیں بہت ہیں۔ اگر دین کی وجہ سے جھگڑا ہے۔ تو بے دین سے توبہ کرا کر صلح کرادیں۔ اگر دنیاوی کام میں جھگڑا ہے۔ تو اگر ایک نے دُوسرے کو جانی نقصان پہنچایا ہے۔ اگر تو قصاص دلوا کر صلح کرادیں۔ اگر مالی یُوں نقصان پہنچایا ہے۔ یعنی قرض یا امانت ماری ہے۔ تو یہ ادا کرا کرادیں۔ اگر یُوں ہی باتوں باتوں کی لڑائی اور گالی گلوچ ہوئی ہے۔ تو ظالم سے معافی منگوا کر اور مظلوم سے معافی دلوا کر صلح کرادیں۔ غرض کہ جو جنگ کی وجہ ہے۔ اُسے دُور کریں۔ تاکہ صُلح قائم رہے۔ یہ نہیں کہ مواد تو پھوڑے میں بھرا رہے اور اُوپر سے مرہم لگا دیا جاوے۔

اِسی لئے سرکار ابد قرار صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ خواہ ظالم ہو، مظلوم، مظلوم کی مدد تو یہ ہے۔ کہ اُسے ظالم کے چُنگل سے بچالو۔ اور ظالم کی مدد یہ ہے۔ کہ اُسے ظلم سے روک دو۔ غرض کہ جیسی جنگ ویسی صلح۔

فاطمہ مخزومیہ نے چوری کرلی۔ لوگوں نے چاہا۔ کہ معافی ہو جاوے۔ مگر سرکار نے فرمایا۔ معاف فرمایا۔ ہاتھ کٹوا کر پھر اُس کے لئے دُعا فرمائی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کچھ لوگوں نے زکوٰۃ سے انکار کیا۔ تو اُن سے ویسے ہی صُلح نہ کی۔ بلکہ اُن پر لشکر کشی کر کے اور

توبہ کرا کر پھر صلح فرمائی۔ غرض کہ دینی مجرم، قومی مجرم، قانونی مجرم، شخصی مجرم، اُن میں سے ہر ایک کی صلح کے علیحدہ علیحدہ طریقے ہیں۔ اور اِس آیت کا یہ لفظ کہ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ان سب صورتوں میں شامل ہے:۔

حکایت:۔ ایک دفعہ ہارون رشید بادشاہ اپنے دربار میں بیٹھا تھا۔ تمام وزراء، امراء حاضر تھے۔ کہ شہزادہ مامون رشید روتا ہوا آیا۔ کہ مجھے فلاں سپاہی کے لڑکے نے ماں کی گالی دی ہے۔ بادشاہ نے درباریوں سے پوچھا۔ کہ ایسے شخص کی کیا سزا ہونی چاہیئے۔ جو شہزادہ کی ماں کو گالی دے۔ درباریوں نے خوشامد کے طور پر مختلف سزائیں تجویز کیں۔ کوئی بولا۔ کہ اُسے قتل کرایا جاوے۔ کسی نے کہا۔ اُس کی زبان کاٹ لی جاوے۔ کوئی بولا اُسے شہر سے نکال دیا جائے۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی باتیں:۔

سلطان نے شہزادے سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اے فرزند! میرا فیصلہ یہ ہے۔ کہ اگر تو بہادر ہے تو معاف کردے۔ تاکہ ربّ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے اور وُہ تیرا مجرم ہے۔ تو تُو بھی ربّ تعالیٰ کا مجرم ہے۔ تُو اپنے مجرم کو بخش۔ ربّ تعالیٰ تجھے بخشے گا۔ اور اگر بزدل ہے۔ تو تُو بھی بدلہ میں اُسے گالی دے۔ لیکن خیال رکھنا۔ کہ اگر اُس نے ایک گالی دی ہو۔ تو تم بھی ایک سے زیادہ گالی نہ دینا۔ ورنہ ابھی تو مدعی ہے۔ اور وُہ ملزم، اور پھر وُہ مدعی ہوگا۔ اور تُو ملزم۔ اور یہ نہ خیال کرنا۔ کہ تُو بادشاہ زادہ ہے۔ اور وُہ سپاہی زادہ۔ نہ معلوم قیامت میں تو بہتر ہو۔ کہ وُہ۔ شہزادہ یہ بات سُن کر رو پڑا۔ اور بولا۔ کہ میں نے اُسے معاف کیا:۔

مسلمانوں میں صلح کرانا ایسی نیکی ہے۔ کہ جس کے مقابل کوئی اور نیکی نہیں تفسیر روح البیان میں اسی جگہ فرمایا ہے۔ کہ نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

نے ایک بار ارشاد فرمایا - کہ مَیں تمہیں ایک ایسی نیکی بتاؤں جو حج ، زکوٰۃ وغیرہ تمام نیکیوں سے بڑھ کر ہو - وُہ یہ ہے - کہ میری اُمت میں صلح کرا دو ؛

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم جب سُنتے - کہ فلاں محلہ یا فلاں جگہ مسلمانوں میں لڑائی ہو گئی ہے - تو خود وہاں تشریف لے جا کر صلح کراتے - ایک دفعہ ایسا بھی ہوُا - کہ آپ صُلح کرانے تشریف لے گئے - اور نماز جماعت میں دیر سے واپسی ہوئی - یہ پوُرا واقعہ بخاری شریف اور نسائی میں صراحتہً مذکور ہے ؛

حضرت امام حسن کو گود میں لے کر ایک بار فرمایا - کہ میرا یہ بیٹا سیّد ہے - اور اللہ تعالیٰ اِس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو۲ بڑی جماعتوں میں صلح کراوے گا ؛

تمام نیکیوں کا فائدہ خود نیکی کرنے والے کو ملتا ہے - مگر صلح کرانے کا فائدہ ساری قوم بلکہ سارے ملک کو پہنچتا ہے - اور ظاہر ہے - کہ اوروں کو نفع پہنچانا بہت ہی اعلیٰ چیز ہے - اِس لئے اِس کا درجہ دیگر نیکیوں سے اعلیٰ ہے ؛

آج مسلمانوں میں لڑنے والے بہت ہیں - مگر ملانے والے تھوڑے - جہاں ہم سُنّتیں ادا کرتے ہیں - وہاں صُلح کرانے کی بھی سُنت پر عمل کریں - ربّ تعالیٰ توفیق دے ؛

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے تین شخصوں کے لئے دُعا فرمائی - کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں ہرا بھرا رکھے - ایک وُہ عالم جو میرے احکام میری اُمت تک پہنچا دے - دُوسرے وُہ خاوند بیوی جو ایک دُوسرے کو نماز کے لئے اُٹھاویں - تیسرے وُہ مسلمان جو میری اُمت کے بچھڑے بچھڑے ہوُؤں کو ملا دے - غرض کہ مسلمانوں میں صلح کرا دینا بہت ہی ثواب ہے ؛

وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِس میں یا تو صُلح کرانے والوں سے خطاب ہے - یا لڑنے والوں سے اگر صُلح کرانے والوں سے خطاب ہو - تو یہ مطلب ہے - کہ

اے حاکمو! اے عالموں، اے پیرو، اے اُستادو! تم یہ خیال نہ کر لینا۔ کہ وُہ لڑتے ہیں۔ تو لڑنے دو۔ ہمیں کیا؟

نہیں بلکہ خدا کا خوف کرنا اور ضرور صُلح کرا دینا۔ اگر تُم نے قدرت کے باوجود مسلمانوں میں صلح نہ کرائی۔ تو قیامت میں تمہاری پکڑ ہوگی ؁

جیسے نماز، روزہ فرض ہے۔ ایسے ہی صلح کرانا فرض ہے۔ سارے فرائض ادا کرو۔ تب نجات ہوگی۔ اور یا یہ مطلب ہے۔ کہ صلح کرانے میں اللہ سے خوف کرنا ایسی صلح نہ کرانا۔ کہ جس میں کسی پر ظلم ہو جاوے۔ ورنہ قیامت میں پکڑے جاؤ گے ؁

اور اگر لڑنے جھگڑنے والوں سے خطاب ہو۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے لڑنے والو! اگر تمہارا مقابل تم سے صُلح کرنا چاہے یا کوئی صُلح کرانا چاہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے خوف کرنا۔ اور بلا وجہ صُلح سے انکار نہ کر دینا۔ کیونکہ کینہ رکھنے والے کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور نمازیں دُرست نہیں ہوتیں۔ دل میں صفائی نہیں پیدا ہوتی۔ اور اگر تم چاہتے ہو۔ کہ تمہارے سینہ میں مدینہ کی طرف سے سکینہ اُترے۔ تو اُسے کینہ سے پاک رکھنا ؁

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ یہاں لَعَلَّ یا تو تاکہ کے معنی میں ہے۔ یا شائد کے معنے میں۔ یعنی صلح صفائی دنیاوی لالچ سے نہ کرو۔ بلکہ اس لیئے کہ تم پر ربّ تعالیٰ رحم فرمائے۔ یا کسی عمل کی مقبولیّت کا یقین نہیں۔ ہر عمل میں اُمید رکھو۔ کہ شائد قبول ہو جاوے ؁

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ۝

ترجمہ :- رحمٰن نے حبیب کو قرآن سکھایا - انسان کو پیدا کیا - اُسے بیان سکھایا ؛

یہ آیتِ کریمہ حمدِ الٰہی اور نعتِ مصطفائی کی جامع آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا کمال اپنے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا ہے - کہ ہم ایسے کمالِ قدرت والے ہیں - کہ اپنے محبوب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ہم نے قرآن سکھا دیا ؛

اِس آیت کی تفسیر سے پہلے ایک بات بطور مقدّمہ یاد رکھنی چاہیئے - وُہ یہ ہے - کہ اللہ جل شانہٗ نے حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی نعت میں مختلف آیات نازل فرمائیں - بعض آیات میں حضور علیہ السّلام کے قلب مبارک کی تعریف فرمائی بعض میں آپ کے سینہ مبارک کی تعریف فرمائی - بعض میں آپ کی آنکھ کی بعض میں کان شریف کی - بعض میں آپ کے ہاتھ مبارک اور بعض میں آپ کے پاؤں شریف کے کمالات بیان فرمائے -

اِسی طرح بعض آیات میں آپ کے اخلاق کی مدح ، بعض میں آپ کے علم شریف کی عظمت ، بعض میں آپ کی عمر شریف اور زمانہ پاک کا ذکر بعض میں آپ کے مکان کے آداب ، بعض میں آپ کی مجلس پاک کے فضائل بیان فرمائے پھر ہر آیات میں وُہ کمال ہے - کہ ایک آیت کی تفسیر سارے عالم سے بھی نہیں ہو سکتی ؛

چنانچہ قلب مبارک کی تعریف میں فرماتا ہے :-

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۞ (ترجمہ) - دل نے جو کچھ دیکھا ۔ ٹھیک بیان کیا ؎

سینۂ فیض گنجینہ کی صفت میں ارشاد فرماتا ہے :-

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۞ (ترجمہ) - کیا ہم نے آپ کا سینہ نہ کھول دیا ؎

آنکھ شریف کی یوں نعت فرمائی ہے :-

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۞ ترجمہ :- آنکھ نے کوئی کوتاہی اور کجروی نہیں کی ہے ؎

ہاتھ شریف کے فضائل اسی طرح بیان فرماتا ہے :-

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۞ (ترجمہ) - جب تم نے کنکر پھینکے - تو تم نے نہ پھینکے - اللہ نے پھینکے ؎

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۞ (ترجمہ) - جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں ۔ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں - اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے ؎

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞ (ترجمہ) - وہ محبوب خواہش سے بولتے ہی نہیں ۔ اُن کا کلام وحی الٰہی ہے ۔ یعنی اُن کی زبان پاک پر کلام الٰہی جاری ہوتا ہے ۔ یا اُن کی زبان پر خدا تعالیٰ بولتا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ؎ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

چوں روا باشد انا اللہ از درخت

کے روا نہ بود کہ گوید نیک بخت

اخلاقِ کریمانہ کی یُوں صفت فرماتا ہے:۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ٥ (ترجمہ) ۔: اے محبُوب تم یقیناً بڑے اخلاق پر ہو۔ وُہ ربّ تعالیٰ جو ساری دنیا کو قلیل فرماتا ہے۔ وُہ حضُور علیہ السّلام کے اخلاق کو عظیم فرما رہا ہے۔ معلُوم ہُوا۔ کہ اخلاقِ مصطفےٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کونین سے زیادہ وسیع ہیں ؛

حضُور کی عمر شریف اور زمانہ مبارک کی تعریف اِس طرح فرماتا ہے :۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ٥ (ترجمہ) ۔: تمہارے زمانہ کی قسم یہ لوگ اپنے نشہ میں حیران ہیں ۔ ؛

وَالْعَصْرِ ٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ٥ تمہارے زمانہ کی قسم انسان خسارے میں ہے ؛

حضُور کے شہر کی یُوں نشان تبا رہا ہے :۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ٥ (ترجمہ) :۔ میں اِس شہر کی قسم فرماتا ہوں ۔ کہ تم اِس شہر میں رونق افروز ہو ؛

دُوسری جگہ فرماتا ہے :۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ٥ ٥ (ترجمہ) ۔: قسم ہے انجیر اور زیتون کی ۔ اور اِس امانت والے شہر کی ؛

حضُور علیہ السّلام کے علم کی عظمت بہت سی آیتوں میں بیان فرمائی ۔ جن میں سے ایک آیت یہ ہے ؛

اَلرَّحْمٰنُ ٥ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ٥ (ترجمہ) ۔: رحمٰن نے اپنے پیارے کو قرآن سکھایا ؛

اُس آیت میں ہر لفظ کئی ایسی وسعتیں رکھتا ہے ۔ کہ اس کی تفسیر سے زبان عاجز ہے ۔ اُس کی کما حقہٗ تفسیر کے لئے دفتر بھی کافی نہیں ؛

اَلرَّحْمٰنُ ○ اِس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دُوسرا نام بیان نہ فرمایا - بلکہ رحمٰن فرمایا - کیونکہ کسی کو علم سکھانا ، اگر محبت اور شفقت کی وجہ سے ہو - تو بہت کامل طور پر ہوتا ہے - اور اگر شاگرد سے محبّت نہ ہو - کسی اور وجہ سے تعلیم دی جائے - تو اتنی کامل نہیں ہوتی ؞

عالموں کے لائق بیٹے علی العموم دُوسرے شاگردوں سے زیادہ فاضل ہوتے ہیں - یہاں فرمایا گیا - کہ رحمٰن نے اپنے اس پیارے کو علم قرآن سکھایا - کیوں؟ رحمت اور محبّت اور کرم کی بنا پر ، لہذا کامل سکھایا - یہ دعوےٰ مع دلیل ہے ؞

رحمٰن - رحمت سے بنا - رحمت کے معنے ربّ تعالیٰ کے لیئے ہیں - بغیر استحقاق کرم فرمانا ؞

اگر آپ مزدُور کو مزدُوری پوُری دیں - تو یہ عدل ہے - رحمت نہیں اور اگر مزدُوری سے کچھ زیادہ انعام بھی دیں - تو یہ رحمت ہے - چونکہ ربّ تعالیٰ بندوں پر ان کے بغیر حق کرم فرماتا ہے - لہذا وہ رحمان ہے ؞

اِس رحمت کی تین صوُرتیں ہیں - بدعمل مجرم کو بغیر حق کے بخشش دُنیائے عمل کو اس کے بلا استحقاق نعمتیں دنیا ناقص عمل والے کو اس کے حق سے زیادہ عطا فرمانا - یہ تینوں معنے اللہ کے لیئے نہایت ہی دُرست ہیں - ہم جیسے کروڑوں ، گنہگاروں کو اپنی رحمت سے بخشے گا ؎

ما گنہ گاریم تو بخشش کنی
نعرۂ اِنّی غفوری مے زنی

اِنشاءَ اللہ تینوں معنے کا ظہور قیامت میں حضوُر کی امت کے لیے ہوگا

رحمت سے رحیم بھی بنا ہے - اور لفظ رحمان بھی - مگر رحیم کے مقابلہ میں رحمٰن میں زیادہ گنجائش ہے - رحمان دنیا میں سب کو رزق دینے والا رحیم آخرت میں

خاص مومنوں کو بخشنے والا یا رحمان دنیا میں سب کو دھوپ ہوا۔ روزی اور روشنی وغیرہ دینے والا، رحیم دنیا میں خاص بندوں کو ایمان، علم، ولائیت اور نبوّت وغیرہ عطا فرمانے والا، رحمان ہمیشہ کرم فرمانے والا۔ کہ ماں باپ اور دیگر مہربانوں کی طرح مہربانیاں خاص وقتوں میں۔ مگر اُس کی مہربانی ماں کے پیٹ میں، زندگی میں، مرتے وقت قبر میں، حشر میں، رحیم خاص اوقات میں خاص مہربانیاں فرمانے والا، کہ جذب، قلب، رقّت، توجّہ الی اللہ، گریہ وزاری کبھی کبھی بندوں کو بھی عطا فرماتا ہے ؂

رحمان ہر جگہ کرم فرمانے والا، ماں کے پیٹ میں ناف کے ذریعے رزق دے پیدا فرما کر ماں کے پستان سے دودھ بخشے، جب بڑے ہوں۔ تو ہماری حالت کے لائق روزی عطا فرمائے ؂

رحیم خاص خاص جگہ خاص کرم کرنے والا مکہ معظمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ، مدینہ پاک میں ایک کا ثواب پچاس ہزار، غرض جیسی جگہ ویسی اُس کی عطا ؂

عَلَّمَ:۔ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خصوصی نعت شریف ہے آدم علیہ السّلام کے متعلق ارشاد ہوا:۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ آدم علیہ السّلام کو سارے نام سکھائے۔ حضرت داؤد علیہ السّلام کے بارے میں فرمایا:۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ ہم نے ان کو زرہ بنانے کا علم سکھایا۔ حضرت خضر علیہ السّلام کے متعلق ارشاد ہوا۔ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ہم نے اُنہیں اپنے پاس سے علم سکھایا ؂

مگر ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی شان والا میں ارشاد ہوا:۔

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ رحمان نے قرآن سکھایا۔ جو اُن کی شانوں میں فرق ہے۔ وُہ ہی اُن کی تعلیم میں فرق ہے۔ کہ قرآن جو تمام علوم کا جامع ہے۔ وُہ ہمارے حضوُر کی تعلیم کے لئے منتخب ہوُا ؛

خیال رہے۔ کہ ایک ہے علم بتانا، اور ایک ہے علم سکھانا یا پڑھانا، بتانے کو اعلام یا انباء کہتے ہیں۔ سکھانے کو تعلیم کہا جاتا ہے۔ اعلام میں شاگرد کا سیکھ جانا ضرُوری نہیں۔ مگر تعلیم میں سیکھ جانا ضروری ہے۔ جلسہ میں واعظ بہت سے مسائل بتاجاتا ہے۔ مگر سُننے والے عالم نہیں بن جاتے۔ مگر مدرسہ میں شاگرد عالم بن جاتے ہیں۔ کہ وہاں اعلام ہے۔ اور یہاں تعلیم ؛

اسی لیئے ربّ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کے لیئے عَلَّمَ فرمایا۔ اور فرشتوں کے لیئے فرمایا۔ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ ؕ جس سے معلوم ہوُا۔ کہ آدم علیہ السّلام کو یہ علم آ بھی گیا۔ مگر فرشتوں کو آدم علیہ السّلام نے بتا تو دیا۔ مگر انہیں آیا۔ نہیں کیونکہ وہاں تعلیم تھی اور یہاں اعلام ؛

اسی طرح یہاں ربّ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لئے علّم فرمایا۔ یعنی انہیں قرآن ایسا سکھایا۔ اور یہ سُورت مکّی ہے۔ اِس سُورت کے نزول کے وقت بہت سے قرآن کا نزول باقی تھا۔ لیکن فرمایا گیا۔ کہ ہم نے پہلے ہی سارا قرآن سکھا دیا۔ جس سے معلوم ہوُا۔ کہ حضوُر علیہ السّلام کا علمِ نزول قرآن پر موقوف نہ تھا۔ وُہ قرآن سیکھے ہوُئے ہی پیدا ہوُئے ؛

نیز جب فرمایا۔ کہ رحمان نے اُنہیں سکھایا۔ تو معلوم ہوُا۔ کہ وُہ نہ جبرئیل کے شاگرد ہیں۔ نہ کسی اور مخلوق کے خاص شاگرد رشید حق تعالیٰ کے ہیں۔ حضرت جبرئیل تو فقط پیغام لانے والے ہیں ؛

یہ بھی پتہ لگا۔ کہ اُن کا سا علم دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہوُا۔ کہ سب لوگ

تو انسان سے پڑھ کر عالم بنتے ہیں۔ مگر وہ رحمان سے سیکھ کر عالم بنے جو اُستادوں میں فرق ہے۔ وہ ہی سیکھنے والوں اور اُن کے علموں میں فرق ہے۔ اب جو کوئی اُن کے علموں میں کمی نکالے۔ وہ حقیقت میں یا تو اِس آیت کا منکر ہے۔ یا ربّ تعالیٰ کے علم کو ناقص مانتا ہے۔ جب ربّ تعالیٰ کامل ہے۔ اور کامل فرماتا ہے۔ کہ ہم نے اُنہیں قرآن سکھایا۔ تو تم ناقص کہنے والے کون ؟

لطیفہ:۔ ہم نے چکوال ضلع جہلم میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے علم کے متعلق تقریر کی۔ تو ایک وہابی نے مکان پر آکر ہم سے سوال کیا۔ کہ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ متشابہ آیات کو خدا تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں جانتا:۔ مَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ ۝ ما اور اِلّا سے معلوم ہوا۔ کہ متشابہات کو خدا تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں جانتا، نہ رسول اور نہ کوئی دوسرا ؛

ہم نے جواب دیا۔ کہ ربّ تعالیٰ نے فرمایا:۔ اَلرَّحْمٰنُ: عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ رحمٰن نے اپنے حبیب کو قرآن سکھایا۔ بتاؤ۔ آدھا قرآن سکھایا، یا سارا، وہ بولا، سارا۔ ہم نے کہا۔ کہ سارے قرآن میں متشابہ آیات بھی آگئیں۔ کیونکہ وہ بھی قرآن ہیں۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں علم کا ذکر ہے۔ اور اس آیت میں تعلیم۔ یعنی ہم ہی متشابہات کو جانتے ہیں۔ اور ہم نے حبیب کو سارا قرآن سکھایا۔ اس پر وہ خاموش ہوگیا ؎

اَلْقُرْاٰن:۔ قرآن قرن سے بنا۔ جس کے معنی ہیں۔ ملنا۔ قرآن کے معنے ہوئے علوم کا مجموعہ، لوح محفوظ کے علوم کا مجموعہ، ربّ لوح محفوظ کے بارے میں فرماتا ہے۔ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ (ترجمہ)۔ زمین و آسمان کی ہر غائب چیز اس روشن کتاب میں ہے:۔

اور قرآن شریف کے بارے میں فرماتا ہے :۔ وَتَفْصِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ ۵ یہ قرآن اِس کتاب لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ اِس میں شک نہیں ؛

اور قرآن شریف کے بارے میں فرماتا ہے :۔ الرحمٰن ۵ علم القرآن ۵ یعنی سارا قرآن حضورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم میں ہے۔ تو خلاصہ یہ ہوُا۔ کہ ہر غیب و حاضر لوح محفوظ ہیں۔ اور ساری لوح محفوظ قرآن شریف میں اور سارا قرآن شریف نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم میں ہے۔ لہذا ہر غائب و حاضر اِس محبوب علیہ السّلام کے علم میں ہے ؛

اور اگر قرآن کے معنے ہوں۔ سارے انبیاء کے کلام کا مجموعہ تو معنے یہ ہوں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السّلام کو وُہ کتاب مکمل سکھائی جو سارے انبیاء کرام کے علوم کا مجموعہ ہے۔ تو جیسے روح میں آنکھ، ناک، کان، زبان اور ہاتھ پاؤں کے سارے علوم جمع ہیں۔ اِسی طرح حضوُر صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم رُوح ہیں۔ اور سارے پیغمبرانِ کرام اعضاء کہ ان کے سارے علوُم حضور علیہ السّلام میں جمع، بلکہ اُن سے ہی سب کو علوم ملے ؛

اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضوُر صلّی تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے علم شریف کے متعلق نہایت عجیب و غریب نکتہ فرمایا۔ کہ علم کے ناقص رہنے کی چند وجہ ہوتی ہیں :۔

۱۔: اُستاد ناقص ہو ؛ (۲) اُستاد تو کامل ہو۔ مگر شاگرد پر مہربان نہ ہو ؛ (۳) کتاب ناقص ہو ؛ (۴) شاگرد ناقص ہو۔ کہ کامل اُستاد سے کامل کتاب پڑھی۔ مگر خود ناسمجھ تھا۔ حاصل نہ کر سکا ؛

جب یہ چاروں وجہ نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم میں مفقود۔ کہ رحمٰن، پڑھانے والا جو اُن پر کامل مہربان ہے۔ اور قرآن شریف کامل کتاب اور

پڑھنے والے کامل تر انسان کہ جن جیسا کامل خدا کی خدائی میں نہیں۔ تو پھر علم بھی کامل ہی عطا ہوا۔ اُن چار باتوں کو اِس آیت کریمہ میں بیان فرمایا۔:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو قدرتیں بیان فرمائیں۔:

۱۔: ایک انسان کی پیدائش ۞ (۲) دوسرے اُسے علم سکھانا ۞

اِس آیت میں انسان اور بیان میں تین احتمال ہیں۔:۔

ایک یہ کہ انسان سے مراد عام انسان ہو۔ اور بیان سے مراد تمام اسماء کا علم، تیسرے یہ کہ انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہوں۔ اور بیان سے مراد تمام اسماء کا علم۔ تیسرے یہ کہ انسان سے مراد حضور سیّد عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم ہوں۔ اور بیان سے مراد:۔ مَاكَانَ وَمَا يَكُوْنُ ۝ کا علم ہو۔ یہ ہی تین تفسیریں رُوح البیان اور تفسیر صاوی وغیرہ تفاسیر میں مذکور ہیں ۞

پہلی تفسیر کی بنا پر اِس آیت کا منشاء یہ ہوگا۔ کہ چار عناصر میں خاک عاجز اور کمزور مخلوق ہے۔ کہ اس پر گندگی وغیرہ رہتی ہے۔ سب سے نیچی ہے۔ اِس میں سکون ہے۔ اضطراب نہیں۔ اُس پر گناہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ تو چاہیئے۔ تو یہ تھا۔ کہ اُس ادنیٰ چیز سے ادنیٰ مخلوق پیدا ہوگی۔ مگر ہماری قدرت تو دیکھو ایسی ادنیٰ مخلوق سے اشرف المخلوق، حضرت انسان کو پیدا کیا۔ اِس پر مکّہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ بسایا۔ اِسی سے اپنے پیارے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کو پیدا کیا۔ اسی میں اُن کا قیام گاہ بنایا۔ جب سے اُس کا درجہ عرش سے بڑھ گیا۔

"لطیفہ"

صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ عجز و نیاز بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:۔ ؎

عجز کارِ انبیاء و اولیاء است
عاجزی محبوب درگاہ خدا است

دیکھو آگ و پانی میں تکبر ہے۔ اور خاک میں عجز مگر باغ، کھیت، اور سونے چاندی کی کانیں خاک میں ہیں۔ آگ میں نہیں، بلکہ اگر آگ لگے ہوئے کھیت میں پہنچ جائے۔ تو برباد کردے ؁

ایسے ہی اگر تکبر کی آگ عبادات کی کھیتی میں پہنچے۔ تو راکھ بنادے۔ جیسا کہ شیطان کا حال ہوا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ ؎

اے برادر چو عاقبت خاک است
خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی

پھر جانور کے بچے سمجھ دار پیدا ہوتے ہیں۔ کہ پیدا ہوتے ہی کھانے، پینے، چلنے لگتے ہیں۔ مگر انسان کا بچہ ناسمجھ پیدا ہوتا ہے۔ کہ کھانا، پینا، چلنا، پھرنا کچھ نہیں جانتا۔ کہ رب تعالیٰ کی شان ہے۔ کہ یہ ناسمجھ تو فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور وہ ادنیٰ رہتا ہے ؎

مرغک از بیضہ برآید ہماں روزی طلبد
آدمی زادہ ندارد خرد و عقل و تمیز

اور انسان کی زبان، گائے، بھینس، ہاتھی کی زبان سے چھوٹی اور ہلکی ہے۔ مگر اس کی زبان میں یہ تاثیر ہے۔ کہ اپنے دل کی بات کہہ سکتی ہے۔ رب تعالیٰ کا ذکر قرآن کی تلاوت کر سکتی ہے۔ اور جانوروں کی زبان اس سے عاجز ہے ؁

صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ اے انسان! تجھے دوسرے جانوروں پر بزرگی بیان کی وجہ سے دی گئی۔ تیرا نام بھی حیوان ناطق رکھا گیا۔ یعنی تو بولنے کی وجہ سے دوسرے جانوروں سے افضل ہے۔ اب ایسی بولی بول۔ کہ جس سے تو

ربّ تعالیٰ کا پیارا بن جائے۔ ایسی بولی نہ بول۔ کہ جس سے تو جانوروں سے بدتر ہو جائے۔ تلاوتِ قرآن، نعتِ پاک مصطفےٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اور حمدِ الٰہی جائز باتیں ہیں۔ یہ تیری زبان کا زیور ہے۔ زبان اگر سیدھی چلے۔ تو زبان ہے۔ اگر ٹیڑھی چلے۔ تو زبون یعنی بُری ہے اور اگر زیادہ چلے تو زیان یعنی سرا سَر نقصان ہے ؎

آدمی را زبان فصیح کند

جوز بے مغز را سبکساری

اِس آیت میں جس بیان کا احسان جتایا گیا ہے۔ وُہ وُہ ہی بیان ہے۔ جو انسان کو جانان تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کاموں کے لیئے دُو دُو عضو دیئے۔ چلنے کو دُو پاؤں، چھُونے کو دُو ہاتھ، دیکھنے کو دُو آنکھیں سُننے کو دُو کان، مگر بولنے کو ایک زبان، وُہ بھی ہونٹوں کے پھاٹک میں، بند اور بتیس دانتوں کے سپاہیوں میں گھری ہوئی۔ یعنی زبان کو پابند رکھو۔ کہ زبان سے ہی آدمی بنتا ہے۔ اور اسی سے کافر ہو جاتا ہے۔ زبان ہی عزت دلواتی ہے۔ زبان ہی جُوتے کھلوا دیتی ہے ؛

دُوسری تفسیر کی بنا پر آیت کا منشاء یہ ہوگا۔ کہ ہم قدرت والے ہیں۔ جس نے مادی عالم سے حضرت آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا۔ اور سارے نوریوں کا اُنہیں خلیفہ بنایا۔ اور پیدا فرماتے ہی اُنہیں تمام ناموں کا علم دیا۔ اور وُہ فرشتے اور ابلیس جو لاکھوں برس سے تھے۔ اُنہیں اِس نئی مخلوق کا اُستاد بنایا ؛

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام پر ایسا فضل کیا۔ کہ اُنہیں خود اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ اور بذات خود بغیر کسی وسیلہ کے علم سکھایا۔ اور اُس آیت سے معلوم ہوُا۔ کہ جب آدم علیہ السّلام کو اِتنا کامل علم دیا گیا۔ تو

حضورِ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم جو باعثِ تخلیق آدم و آدمیان عالم وعالمان ہیں - اُن کے علم کا کیا شمار ہے - اُنہیں فقط ناموں کا علم دیا - اور یہاں نام اور نام والے سب حضورؐ کو دکھا دیئے ؛

تیسری تفسیر سے آیت کا منشاء یہ ہوگا - کہ اِس ربّ تعالیٰ نے انسانیت کی جان محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو پیدا فرمایا - اور اُنہیں مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا کامل علم بخشا ؛

بیان کے دو معنی ہیں - ایک چھپی چیز کو کھولنا ، دُوسرے الگ الگ کرنا ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے دونوں معنے میں بیان عطا فرمایا - حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے ربّ تعالیٰ کی ذات ، اس کے صفات ، جنت ، دوزخ ، عرش و لوح و قلم ، جو عالمِ غیب کے اسرار تھے - ظاہر فرما دیئے - اگر یہ ذات گرامی درمیان میں نہ ہوتی - تو خالق و مخلوق میں تعلّق ہی نہ قائم ہوتا ، اور ربّ تعالیٰ کے یہ اسرار کبھی فاش نہ ہوتے - نہ قرآن شریف ہم کو ملتا ، نہ لوحِ محفوظ کے علوم کا پتہ کسی کو لگتا ؛

نیز حضورؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہی کے طفیل حق و باطل ، کفر و اسلام نور و ظلمت ، حلال و حرام ، سعید و شقی و دوزخی الگ الگ ہوئے - پہلے صدّیق اور زندیق یکساں معلوم ہوتے تھے - پتہ نہ لگتا تھا - کہ کس کے سینہ میں ربّ تعالیٰ نے کیسا تخمِ امانت رکھا ہے - حضور علیہ السّلام کے ذریعہ یہ سب علیٰحدہ ہوئے - جیسے کہ حضور علیہ السّلام نے اُن کو الگ کیا - اسی طرح عربی ، عجمی ، رومی ، حبشی ، شرقی ، غربی ، سیاہ و سفید کو مُسلمان بنا کر الگ کر دیا - :

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۵

نوٹ ضروری :- اس آیت کے کچھ بعد فرمایا جا رہا ہے :- خَلَقَ

الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خشک مٹی سے پیدا کیا ہے ۔ جس سے پتہ لگا۔ کہ انسان کی پیدائش خشک مٹی سے ہے ۔ لہٰذا لازم ہے ۔ کہ انسان میں خشک مٹی کے خواص پائے جاویں ۔ کیونکہ اصل کے خواص فرع میں ہونے چاہئیں ۔ مٹی میں ایک خاصہ یہ ہے ۔ کہ بغیر پانی کی تری کے کوئی سبزہ وغیرہ نہیں اُگا سکتی ۔ پانی کی محتاج ہے ۔ اسی طرح ہم سب ایمان ، تقویٰ میں نگاہِ پاک مصطفےٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حاجت مند ہیں ۔ جو کوئی اپنے کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے بے پرواہ جانے ۔ وہ اپنی فطرت کو بھول گیا ۔ جب تیری پیدائش مٹی سے ہے ۔ اور مٹی پانی کی محتاج ہے ۔ لہٰذا تو بھی کسی نگاہ کا محتاج ہے ۔ پھر مٹی کو بادل کی ضرورت ہے ۔ خواہ بلاواسطہ سے یا تالاب ، دریا ، کنوئیں وغیرہ کے واسطہ سے ہے ۔ اسی طرح نبوت کا پانی خواہ واسطہ سے ملے یا اولیاء اللہ و علماء کرام کے واسطہ سے ملے ۔ پھر مٹی پانی کی اُس وقت تک محتاج رہتی ہے ۔ کہ جب تک کہ کھیتی کٹ نہ جاوے ۔ اسی طرح ہم فقط مومن اور نمازی بن کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے بے پرواہ نہیں ہوگئے ۔ بلکہ مرتے وقت بلکہ قبر تک بلکہ حشر تک ان کے حاجت مند ہیں ۔ کہ انہیں کے نام پر قبر میں پاس ہوں ۔ اُنہیں ہی کی شفاعت سے جنّت نصیب ہو ۔

دُوسرا خاصہ مٹی کا یہ ہے ۔ کہ بذاتِ خود نیچے گرتی ہے ۔ اور کوئی اُوپر کو پھینکے ۔ تو اُوپر جاتی ہے ۔ گویا گرنا اُس کی اپنی خاصیت اور اُٹھنا دُوسرے کی طاقت اسی طرح ہم سب دنیا کے گڑھے میں گرے ۔ ضرورت تھی ۔ کہ کوئی اُٹھانے والا ۔ اس پستی سے نکال کر بلندی پر پہنچائے ۔ وہ اُٹھانے والے وہ ہی ہیں ۔ جو اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسّی ہیں ۔ رسّی میں ہوتا یہ ہے ۔ کہ

اُس کا ایک حصّہ مالک کے ہاتھ میں، دُوسرا حصّہ نیچے والوں کے ہاتھ میں مگر وہ، رسّی ایسی مضبوط ہے - کہ تمام عالم اور اس کے قدم سے لپٹ جاوے - مگر وُہ ٹوٹتی نہیں - کھینچنے والا ربّ - قوی رسّی مضبوط رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم - ہاں ہماری گرفت قوی چاہیئے ؛

اِس آیت میں جو فرمایا -: خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اِسی علاقہ سے فرمایا گیا - کہ لٹکے نیچے گرے ہوئے لوگو اللہ نے تمہیں اُٹھانے کے لئے اِس محبُوب کو بھیجا - گناہ تو ہم اپنی قوت سے کرتے ہیں - اور نیکی دُوسرے کی طاقت ہے ؛

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ؕ وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ؕ وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۙ اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۙ

ترجمہ :۔ تو داہنی طرف والے کیسے ہیں۔ داہنی طرف والے اور بائیں طرف والے کیسے ہیں۔ بائیں طرف والے جو سبقت لے گئے۔ وہ تو سبقت ہی لے گئے۔ وہی مقرّب بارگاہ ہیں ؛

اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہٗ نے انسانوں کے اُن تین گروہوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو قیامت میں کئے جاویں گے۔ دنیا میں ہر انسان بظاہر یکساں معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ کافر مسلمان کے مقابلہ میں زیادہ مزے میں ہیں۔ لیکن چونکہ قیامت کا دن اصلیت کے ظہور کا دن ہے۔ جیسے طلباء کے لئے امتحان کا دن، اور کھیت کے لئے گاہنے کا دن۔ اس لئے وہاں انسانوں کے تین گروہ ہوں گے۔ اور ہر گروہ کی علیحدہ سزا و جزا۔ ان تین گروہوں کے نام یہ ہیں :۔

۱ :۔ میمنہ والے (۲) مشئمہ والے (۳) سابقین

اُن میں میمنہ والے اور سابقین تو جنتی ہیں۔ اور مشئمہ والے دوزخی۔ جنتیوں میں اوّل نمبر سابقین اور دوم نمبر میمنہ والے۔ مگر چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کو اپنی اُمت کے گنہگار زیادہ پیارے ہیں۔ کہ اُن کو اپنے دامنِ کرم میں لے کر فرمایا :۔ اَلسَّلَامُ عَلَیۡنَا ؕ اور نیک کاموں اور نیک کاروں کا علیحدہ ذکر فرمایا :۔ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیۡنَ ؕ نیز میمنہ والے بخشش پروردگار،

کے زیادہ حق دار ہیں۔ کہ اُن کے پاس گناہ بھی ہیں۔ اور نیکیاں بھی۔ اِس لئے میمنہ والوں کو پہلے یاد فرمایا۔ اور سابقین کو بعد میں ؀

میمنہ :۔ اِس لفظ میں دُو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ لفظ یمن سے بنا ہو۔ بمعنی برکت۔ دُوسرے یہ کہ یمین سے بنا ہو۔ بمعنی داہنا ہاتھ یا داہنی جانب۔ اِسی طرح اس کے مقابل مشئمہ میں دُو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ لفظ شوم سے بنا ہو۔ بمعنی نحوست۔ دُوسرے یہ کہ شامہ سے بنا ہو۔ بمعنی بایاں ہاتھ یا بائیں جانب (رُوح البیان) ؀

پہلی صُورت میں آیت کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ برکت والے آدمی اچھے رہیں گے۔ اور منحوس لوگ خرابی میں ہوں گے ؀

لیکن خیال رہے۔ کہ قیامت میں برکت والا وُہ ہی ہوگا۔ جو دُنیا میں برکت والا رہا ہو۔ کیونکہ کمائی کی جگہ آخرت نہیں۔ بلکہ دنیا ہے۔ اگر دنیا میں مبارک ہو گئے۔ تو وہاں بھی مبارک۔ اور اگر یہاں منحوس ہے۔ تو وہاں بھی منحوس :۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ؕ غرض جو کچھ بننا ہے۔ یہاں بنو۔ ؀

اِس صُورت میں اِس آیت کا فائدہ یہ ہوُا۔ کہ بعض لوگ مبارک ہیں بعض منحوس لوگ ہی نہیں۔ بلکہ بعض دن مبارک ہیں۔ بعض منحوس۔ بعض جگہ مبارک ہیں۔ بعض منحوس۔ بعض مہینہ مبارک ہیں۔ دیکھو شب قدر مبارک ہے :۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ؕ ماہ رمضان مبارک ہے۔ کیونکہ اِس میں قرآن شریف اُترا۔ وادیٔ سینا مبارک ہے۔ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ ؕ مدینہ طیبہ کی زمین، مکہ مکرمہ کا خطہ مبارک، اُس کے برعکس منگل کا دن منحوس ہے۔ کہ اِس دن میں حضرت حوّا کو حیض شروع ہوُا۔ اُسی دن ہابیل قتل کئے گئے۔

اِسی واسطے اُس دن ۔ فصد لینے سے منع فرمایا گیا ۔ بُدھ کا دن منحوس ۔ کہ اِس قوم عاد پر عذاب آیا ۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝

نیز جن بستیوں پر عذاب الٰہی آیا ۔ وُہ منحوس ۔ کہ قوم صالح علیہ السّلام کے کنوئیں کے پانی سے منع فرمایا ۔ بلکہ عذاب والی جگہ پر ٹھہرنے کی ممانعت فرمائی ۔ حتیٰ کہ حاجی کو حکم ہے ۔ کہ منیٰ شریف جاتے وقت اس جگہ تیزی سے گزر جائے جہاں اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا ۔ غرض کہ جانور ، زمین ، زمان ، انسان وغیرہ سب میں یہ ہی ہے ۔ کہ بعض مبارک ہیں ۔ اور بعض منحوس ۔ مگر اسلام میں منحوس کے معنے وُہ نہیں ۔ جو مشرکین سمجھے ہیں ۔ کہ ان سے بدفالی لی جاوے ۔

دنیا میں مبارک دو طرح کے ہیں ۔ ایک وُہ جو قدرتی طور پر بذاتِ خود مبارک ہیں ۔ انہیں ذاتی مبارک کہا جاتا ہے ۔ دُوسرے وُہ جو بذاتِ خود تو مبارک نہ تھے ۔ مگر کسی مبارک کے دامن کرم سے لپٹ گئے ۔ اور مبارک بن گئے ۔ اُنہیں عارضی مبارک کہا جاتا ہے ۔ دیکھو قرآن شریف بذاتِ خود مبارک ہے ۔ لیکن قرآن کا ورق ، اس کی جلد ، اُس کی جزدان اس کی صحبت سے مبارک ہو گئے ۔ کعبہ شریف بذات خود مبارک ہے ۔ مگر غلافِ کعبہ اس کی برکت سے مبارک ہے ۔ وُہ ذاتی مبارک ، یہ عارضی مبارک جیسے کہ پھُول بذاتِ خود خوشبودار ہے ۔ مگر اس کے پاس رہنے سے تیل عارضی طور پر مہک جاتے ہیں ۔ سوُرج بذاتِ خود روشن ہے ۔ مگر زمین اس کی برکت سے منوّر ہے ۔

اِسی طرح انسانوں میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام خصوصًا حضُور سیّد الانبیاء صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم بذاتِ خود مبارک ہیں ۔ پھر اولیاء اللہ ، علمائے صالحین ، کاملین ، اُن کی برکت اور اُن کے فیض سے مبارک ہیں ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا ۔ وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَمَا

کُنتُ ہُ مجھے رب تعالیٰ نے برکت والا بنایا ہے۔ جہاں کہیں بھی ہُوں۔ جس جزدان میں قرآن شریف رہے۔ وُہ مبارک ہے۔ تو جس زبان اور جس دل میں قرآن شریف رہے۔ وُہ بھی مبارک ہے۔ اور پھر جس دن میں صاحبِ قرآن صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم جلوہ گر ہوں۔ وُہ بھی یقیناً مبارک ہے ؕ

یہ ہی حال اِس کے عکس کا ہے۔ کہ شیطان بذاتِ خُود منحوس ہے۔ اور جو اس کی اطاعت کریں۔ وُہ عارضی طور پر اُس کی وجہ سے منحوس ہیں ؕ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضُور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ناخن ولباس وبال سے شفاو برکت حاصل کرتے تھے۔ حضور علیہ السّلام کی کُلّی کے پانی سے زمین کو دھوتے تھے۔ تاکہ برکت ہو جاوے۔ پھر وہاں مسجد بناتے تھے۔ حضُور علیہ السّلام کے بال وغیرہ قبر میں رکھتے تھے۔ یہ سب اِسی برکت کے لیئے تھا۔ اب آیتِ کریمہ کے معنی یہ ہُوئے۔ کہ جو بھی برکت والا ہے۔ خواہ ذاتی طور پر یا کِسی برکت والے کے صدقے سے وُہ قیامت میں مزے میں ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے۔ کہ مبارک بننے کے لیئے انجام کا اعتبار ہے۔ اگر زندگی میں مومن رہا۔ مرتے وقت کافر ہو گیا۔ وُہ منحوس ہے۔ اور اگر زندگی میں کافر رہا۔ اور مرتے وقت مومن ہو گیا۔ تو وہ مبارک ہے یہ ہی معنی۔ اِس جگہ مراد ہیں۔ اِسی لئے صوفیائے کرام ڈرتے ہیں۔ کہ نہ معلُوم ہم قیامت میں مبارک ہوں۔ یا منحوس۔ رب تعالیٰ بے نیاز ہے۔ ایک دم میں مقبول کو مردُود، اور ایک نکتہ میں مردُود کو مقبول کرلے ؕ

حکایت:۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک شرابی تھا۔ جو چھُپ کر شراب پیتا تھا۔ ایک دن مدینہ پاک کی ایک گلی سے شراب کی بوتل ہاتھ میں لیئے ہُوئے گزرا۔ کہ سامنے سے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے۔ یہ اُنہیں دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور کانپتے ہُوئے ہاتھوں سے بوتل

کمبل میں لپیٹ کر بغل میں دبائی۔ اور دل میں نہایت بے قراری کی حالت میں بارگاہ الہیٰ میں دعا کی۔ کہ مولیٰ آج میرا پردہ رکھ لے۔ اور میں آج سے تجھ سے وعدہ کرتا ہوں۔ کہ اب شراب نہ پیوں گا۔ مولیٰ میری توبہ!

اِتنے میں آمنا سامنا ہو گیا۔ اور خلیفۃ المسلمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب آ گئے۔ آپ نے پُوچھا۔ تیری بغل میں کیا ہے؟ اُس نے گھبرا کر کہا۔ حضُور دُودھ ہے فرمایا۔ اگر دوُدھ تھا۔ تو تُو نے اِس طرح چُھپایا کیوں؟ اور تیرے چہرے پر پریشانی کیوں ہے؟ اچھا دکھا۔ یہ شخص کھولنے لگا۔ مگر رُعب اور خوف کی وجہ سے اس کے ہاتھ کام نہ کرتے تھے۔ جب بمشکل تمام بوتل کھولی۔ تو اِس میں بجائے شراب کے خالص تازہ دوُدھ تھا ؏

آپ نے اُس سے پُوچھا۔ کہ اِس بوتل میں اِس سے پہلے دوُدھ تو نہ تھا۔ سچ بتا کہ ماجرا کیا ہے؟ فوراً الہام الہیٰ ہُوا ؎

بندۂ ما را مکن رسوا عمرؓ

پردہ اش بردار راز او مدر

نام دارم اے عمر من ذوالمنن

از دعا کردم خمر شیریں لبن!

اے عمر ہمارے بندے کو رسوا نہ کرو۔ اس کی پردہ پوشی کرو۔ اے عمر! میرا نام صرف جبّار، قہار ہی نہیں ہے۔ بلکہ ذوالمنن بھی ہے۔ مَیں ستّار بخشنہار بھی ہوں۔ مَیں نے اس کی دعا سے شراب کو تازہ دوُدھ بنا دیا ؏

اِدھر تو بوتل کی شراب دوُدھ بنی، اُدھر دل کا فسق و فجور، تقویٰ اور پرہیزگاری میں تبدیل ہو گیا۔ یہ ہیں اصحاب میمنہ ؏

اور اگر میمنہ کے رُو سے مشئمہ سے مراد داہنا اور بایاں ہو۔ تو یا تو داہنے

بائیں ہاتھ والے مُراد ہیں۔ یا داہنے بائیں سمت والے مُراد ہیں۔ پہلی صُورت کی تفسیر یہ ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پُشت سے اُن کی اولاد کی تمام رُوحیں نکال کر مومنوں کو اُن کی داہنی طرف اور کافروں کو اُن کی بائیں طرف رکھا۔ اِسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلّم نے معراج میں دیکھا۔ کہ آپ بیت المعمور کی دیوار سے پشت لگائے بیٹھے ہیں۔ اور آپ کے داہنے بائیں کچھ رُوحیں ہیں۔ داہنی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اور بائیں کو دیکھ کر مغموم ہوتے ہیں۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا۔ کہ داہنے ہاتھ جنتی لوگ ہیں۔ اور بائیں ہاتھ جہنمی۔ یعنی حضرت آدم وابراہیم علیہ السلام کے داہنے ہاتھ والی رُوحیں مزے میں ہیں۔ اور اُن کے بائیں ہاتھ والی رُوحیں جہنمی ہیں۔ اِس صُورت میں داہنا بایاں پہلے ہو چُکا ؏

اِس تفسیر پر دُو فائدے حاصل ہُوئے۔ پہلا فائدہ یہ کہ کوئی نیکی والا اپنے متعلق جنتی ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ تو پہلے ہی طے ہو چکا ہے۔ نہ معلُوم ہم کِس گروہ میں ہیں۔ اور ہمارے بارے میں کیا فیصلہ ہوچکا؟ ربّ تعالیٰ مہربانی اور کرم کرے۔ لیکن اس داہنے اور بائیں کی علامت یہ ہے۔ کہ داہنے والے کو نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ اور بائیں ہاتھ والے کو بُرے عمل کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ

دُوسرا فائدہ :- یہ حاصل ہُوا۔ کہ آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ہر شخص کے انجام سے باخبر ہیں۔ کہ کون جنتی ہے۔ اور کون دوزخی اور کون سعید ہے۔ اور کون شقی ہے۔ حالانکہ یہ علم عُلُومِ خمسہ میں سے ہے۔ کیونکہ ان حضرات علیہم الصلوات والسلام نے اُن رُوحوں کی دونوں جماعتوں کو علیحدہ علیحدہ ملاحظہ فرمایا۔ تو جو کہے۔ کہ اُنہیں اپنے

اپنے انجام کی خبر نہیں۔ وہ اس آیت شریف پر نظر کرتے :- نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے بعض کے جنتی ، دوزخی ہونے کی بشارتیں دے دی ہیں۔ بلکہ اُن کے مراتب بتا دیئے۔ کہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جنتی بی بیوں کی سردار ہیں۔ اور حسین و حسن رضی اللہ عنہما جوانانِ جنت کے سردار ہ

یہ اس میمنہ و مشئمہ سے ہیں۔ عرش کی داہنی بائیں طرف والے یا قیامت میں داہنے اور بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال والے۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائے گا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝

اے کافرو! تم مومنوں سے الگ ہو کر چھنٹ جاؤ۔ چنانچہ مومن عرش کے داہنے اور کافر عرش کے بائیں ہو جائیں گے۔ داہنی طرف جنت ہے۔ اور بائیں طرف دوزخ ، لیکن اُن مومنوں میں منافق بھی شامل ہو جائیں گے۔ پھر رب تعالیٰ اُن میں چھانٹ فرمانے کے لیئے اپنا قدمِ قدرت ظاہر فرمائے گا۔ اور حکم ہو گا۔ کہ اس کو سجدہ کرو۔ مؤمنین مخلصین بے تکلف سجدہ میں گر جائیں گے اور منافقوں کی پیٹھ اکڑ جائے گی۔ جس سے وُہ بجائے سجدہ کے اوندھے منہ گر پڑیں گے رب تعالیٰ فرماتا ہے :۔ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اُس سجدے سے منافق اور مخلص کی چھانٹ ہو جائے گی۔ پھر مؤمنوں کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ اور کافروں کو بائیں ہاتھ میں اور فرمایا جائے گا۔: اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ ہم تو تیرا حساب بعد میں لیں گے۔ پہلے تو خود اپنا اعمالنامہ پڑھ اور اپنا حساب کر لے ؛

اب اُس آیت کے معنیٰ یہ ہوئے۔ کہ داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ والے کیا مزے میں ہیں۔ اور بائیں والے کیا مصیبت میں ہیں۔ یا عرش کے داہنے

والے مزے میں ہیں اور بائیں طرف والے غضب میں ہیں ؛

اس تفسیر سے تین فائدے حاصل ہوئے ۔ ایک یہ کہ قیامت میں کوئی جاہل نہ ہوگا ۔ سب عربی پڑھیں گے اور سمجھیں گے ۔ کیونکہ نامۂ اعمال کی تحریر عربی زبان میں ہے ۔ اور وہاں ہر عالم ، جاہل ، عربی ، عجمی اُسے پڑھ کر سمجھیں گے دُوسرے یہ کہ قیامت میں ہر شخص اپنی علامت سے معلوم ہو جاوے گا ۔ کہ یہ جہنّمی ہے ۔ یا جنّتی ۔ کسی سے پُوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی ۔ تو جو کہتے ہیں ۔ کہ حضوُر صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو قیامت میں کبھی مؤمن و کافر کی پہچان نہ ہوگی ۔ آپ مُرتدین کو اپنا صحابی سمجھیں گے ۔ وُہ اس آیت پر غور کریں ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :۔ يَوْمَئِذٍ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ اور فرماتا ہے :۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ ۔ یعنی مُجرمین سے پُوچھنے کی ضرُورت نہ ہوگی ۔ اپنی علامات سے پہچانے جائیں گے ؛

تیسرے ۳ :۔ یہ کہ اسلام میں داہنا بائیں سے افضل ہے ۔ اسی لیئے بایاں ہاتھ استنجا وغیرہ کے لیئے ہے ۔ اور داہنا ہاتھ کھانے پینے کے لیئے مسجد میں پہلے داہنا ہاتھ پاؤں کرو ۔ پاخانہ میں پہلے بایاں ، پہلے داہنے پاؤں میں جُوتا پہنو ۔ پہلے داہنی آنکھ میں سُرمہ لگاؤ ۔ غرض کہ ہر اچھّے کام میں داہنے سے ابتدا ہے ۔ کیونکہ قیامت میں جنّتی لوگوں کا مقام داہنا ہے ۔ جہنّمی جماعت کا مقام بایاں ۔ مگر عیسائیوں کے مذہب میں بایاں داہنے سے افضل ہے ۔ ہمارے ہاں ہر شخص راستہ میں بائیں طرف چلتا ہے ۔ مگر عرب شریف میں اپنے داہنے ہاتھ چلتا ہے ۔ اسی طرح اُن کے ہاتھ عورت مرد سے افضل ۔ مگر اسلام میں مرد عورت سے اعلیٰ ہے ؛

اَلسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۔ یہ لفظ سبقت سے بنا ہے ۔ بمعنی آگے ہونا ،

مقدّم ہونا، پہلے سابق سے دنیا میں اگلے مُراد ہیں۔ دُوسرے سے قیامت کے اگلے اور معنی یہ ہیں۔ کہ جو دُنیا میں آگے رہا۔ وُہ جنت میں آگے جاوے گا۔ دُنیا میں آگے جاوے گا۔ دُنیا میں آگے رہنے کی چند صُورتیں ہیں ؛

اِسلام میں آگے ہونا، ہجرت میں آگے ہونا، نیکی میں آگے ہونا۔

اِسلام میں آگے ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ بعض لوگ حضُور علیہ السّلام کے دعوٰے نبوّت سے پہلے حضُور پر ایمان لے آئے۔ جیسے ورقہ بن نوفل، بی بی خدیجۃ الکبریٰ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور بعض وُہ جماعتیں ہیں۔ جو حضُور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہجرت سے پہلے ایمان لے آئے۔ جیسے حضرت عمر فارُوق، حضرت عثمان غنی علی مرتضیٰ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور بعض وُہ لوگ ہیں۔ جو فتحِ مکّہ سے پہلے ایمان لائے یہ سب لوگ ایمان میں سابقین ہیں۔ جو لوگ فتحِ مکّہ کے بعد ایمان لائے۔ وُہ لاحقین ہیں۔ سابقین کا درجہ اِس لیئے زیادہ ہوا۔ کہ ہجرت کے بعد انصار نے مہاجرین کو زمین، مال، محال اور باغ وغیرہ دیئے۔ اور فتحِ مکّہ کے بعد تو مسلمانوں کی بادشاہت ہی ہو گئی۔ لیکن ہجرت سے پہلے مسلمان بننے سے دنیاوی نقصان کے سوا کسی نفع کی اُمید نہ تھی۔ جو شخص اِسلام لاتا۔ وُہ اپنے کو مصیبت میں ڈالتا تھا۔ کفّار کی ایذائیں جھیلتا تھا۔ تو جس قدر اخلاص اُن مؤمنین میں ہے۔ وُہ بعد والوں میں ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ لوگ مصیبت کے ساتھی ہیں۔ اِس لیئے ان کا درجہ زیادہ ہے ؛

حکایت:۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدّیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آپس میں کچھ شکر رنجی ہو گئی۔ بعد میں ان صاحبوں نے آپس میں صلح صفائی کر کے بارگاہ نبوی میں عرض کیا۔ کہ ہم راضی ہو گئے ہیں۔ سرکار ابرقرار صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے فرمایا کہ اے ۔ عمر ابُو بکر کی رضا میں میری رضا ہے ۔ کیونکہ یہ میرا اُس وقت کا ساتھی ہے ۔ جب تم میرے خلاف تھے ۔ معلُوم ہوُا ۔ کہ مُصیبت کے ساتھیوں کا درجہ زیادہ ہے ۞

ہجرت میں سبقت کے معنی یہ ہیں ۔ کہ حضوُر سیّد عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ہجرت سے پہلے جو ہجرت حبشہ وغیرہ کی طرف ہوُئی ۔ وُہ ہجرت لاحقہ ہے ۔ یعنی پہلی ہجرت ۔ بعض وُہ حضرات ہیں ۔ جنہوں نے حضوُر سے پہلے ہجرت کی وُہ سابقین فی الہجرت کا ذکر ہے ۔ بعض وُہ خوش نصیب ہیں ۔ جنہوں نے سرکار سے پہلے حبشہ وغیرہ کی طرف ہجرت کی ۔ پھر وہاں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ہجرت کے بعد مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی ۔ یہ حضرات صاحب ہجرتین ہیں ۔ جیسے کہ حضرت عمر فاروق اور دیگر خاص مہاجرین ان حضرات کا درجہ اعلیٰ ہے ۔ حضرت ابُو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے ۔ کہ حضور علیہ السّلام سے پہلے ہجرت کر کے مکّہ معظمہ سے نِکل گئے ۔ پھر رب تعالیٰ نے سبب ایسا بنا دیا ۔ کہ مکّہ شریف میں واپس آئے ۔ پھر حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کے ساتھ ہجرت کی اور غار میں یار کی حفاظت کے لئے ناگ سے کٹوایا ۔ اُس کا ذکر قرآن شریف میں بہت عظمت سے ہوُا ۔ اُن کا درجہ تو ہمارے خیال و گمان سے بالا ہے ۞

یہ بھی احتمال ہے ۔ کہ سابقین سے مُراد وُہ لوگ ہیں ۔ جنہیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنا نصیب ہوُا ۔ یعنی تبدیلی قبلہ سے پہلے وُہ ایمان لائے چونکہ اُن کا ایمان بہت پُرانا ہے ۔ لہٰذا اُن کا درجہ بھی بہت زیادہ ۞

ایک احتمال یہ بھی ہے ۔ کہ سابقین سے مراد نیکی میں سبقت کرنے والے ہیں ۔ پھر اِس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ۔ ایک یہ کہ نیکی کا ایجاد کرنے والا

سابق ہے۔ اِس نیکی پر عمل کرنے والے لاحق ہیں۔ تو سابق کا درجہ یقیناً بڑا ہے۔
حدیث شریف میں ہے۔ کہ جو کوئی فساد کے زمانہ میں میری سنت کو رائج کرے۔ اِس کو سَو شہید کا ثواب ہے۔ کیونکہ شہید تو ایک بار زخم کھا کر مرجاتا ہے۔ اور یہ غریب عمر بھر مسلمانوں کے طعنے سنتا اور صبر کرتا ہے۔ آج کل جو کوئی داڑھی رکھنے کا رواج کر دے۔ سُود کو روک دے۔ جماعت کی نماز قائم کر دے وُہ انشاء اللہ اسی حدیث کی بشارت میں داخل ہے۔

اسی طرح جن بزرگوں نے محفل میلاد شریف، عُرس، فاتحہ اور گیارھویں شریف ایجاد کیں۔ وُہ بھی سابقین میں داخل ہیں۔ کہ جب تک اِس کا خیر پر عمل ہو گا۔ انہیں ثواب ملتا رہے گا۔

مسجد بنانے والا دینی کتب کی تصنیف کرنے والا، نیک اولاد چھوڑنے والا سب اِس عمل میں داخل ہیں۔ کہ یہ لوگ نیکی کے مُوجد ہیں۔

صحابہ کرام خصوصاً ابو بکر صدیق اور عمر فارُوق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سابقین کے پُورے پُورے مصداق ہیں۔ کہ صدیق اکبر نے قرآن پاک جمع فرما کر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت جاری کر کے اسلام میں بڑی نیکی رائج کر دی۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ نیکی میں پہل کرنے والے جنت میں آگے جائیں۔ لیکن جو شخص جب نیکی کا موقعہ دیکھے۔ تو فوراً پہلے خود اس پر عمل کرے۔ پھر اُس کی دیکھا دیکھی دُوسرے عمل کریں، وُہ سابق ہے۔

اگر کسی جگہ چندہ ہو رہا ہے۔ تو جو پہلے دے گا۔ وُہ سابق ہے۔ اور جو پھر دے گا۔ وُہ لاحق ہے۔ درجہ پہلے والے کا یقیناً زیادہ ہے۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ نیکی میں ایک دُوسرے سے آگے بڑھنے

والے جنّت میں آگے ہیں۔ یعنی نیکی کے موقعہ پر جو مُسلمان کوشش کرے۔ کہ میری نیکی اوروں سے بڑھ جائے۔ اور میں قیامت میں سب سے بڑھ چڑھ کر آؤں۔ تو یہ بھی سابقین میں داخل ہے ؎

آج ہم لوگ کوٹھی، مال، موٹر کار وغیرہ دنیاوی سامان میں ایک دُوسرے سے بڑھنا چاہتے ہیں۔ مگر صحابہ کرام کی نظر مال پر نہ تھی۔ اعمال پر تھی۔ اُن کا ہر وقت آپس کا مقابلہ اعمال میں رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ مگر نہ بڑھ سکتے تھے۔ یہ اسی آیت پر عمل تھا ؎

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ کے یا تو یہ معنے ہیں۔ کہ یہ سابقین دُنیا میں بارگاہِ الٰہی میں مقرب والے ہیں۔ مُقَرَّبُوْنَ کے معنے ہیں۔ قریب کئے ہُوئے یعنی یہ قرب انہیں اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ ربّ تعالیٰ نے انہیں بخشا۔ کیونکہ اعمال کی توفیق پھر قبولیت، ربّ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یا یہ مطلب ہے۔ کہ لوگ مقرب ہوں گے۔ یعنی اُنہیں جنّت الفردوس میں جگہ دی جائے گی۔ جو عرش سے بالکل قریب ہے ؎

سابق ہے۔ اِس نیکی پر عمل کرنے والے لاحق ہیں۔ تو سابق کا درجہ یقیناً بڑا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ کہ جو کوئی فساد کے زمانہ میں میری سنت کو رائج کرے۔ اِس کو سو شہید کا ثواب ہے۔ کیونکہ شہید تو ایک بار زخم کھا کر مرجاتا ہے۔ اور یہ غریب عمر بھر مسلمانوں کے طعنے سنتا اور صبر کرتا ہے۔ آج کل جو کوئی داڑھی رکھنے کا رواج کر دے۔ سُود کو روک دے۔ جماعت کی نماز قائم کردے وُہ انشاءاللہ اسی حدیث کی بشارت میں داخل ہے۔

اِسی طرح جن بزرگوں نے محفل میلاد شریف، عُرس، فاتحہ اور گیارھویں شریف ایجاد کیں۔ وُہ بھی سابقین میں داخل ہیں۔ کہ جب تک اِس کار خیر پر عمل ہوگا۔ انہیں ثواب ملتا رہے گا۔

مسجد بنانے والا دینی کتب کی تصنیف کرنے والا، نیک اولاد چھوڑنے والا سب اِس عمل میں داخل ہیں۔ کہ یہ لوگ نیکی کے مُوجد ہیں۔

صحابہ کرام خصوصاً ابو بکر صدیقؓ اور عمر فارُوق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سابقین کے پُورے پُورے مصداق ہیں۔ کہ صدیق اکبر نے قرآن پاک جمع فرما کر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت جاری کر کے اِسلام میں بڑی نیکی رائج کردی۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ نیکی میں پہل کرنے والے جنت میں آگے جائیں۔ لیکن جو شخص جب نیکی کا موقعہ دیکھے۔ تو فوراً پہلے خود اس پر عمل کرے۔ پھر اُس کی دیکھا دیکھی دُوسرے عمل کریں، وُہ سابق ہے۔

اگر کسی جگہ چندہ ہو رہا ہے۔ تو جو پہلے دے گا۔ وُہ سابق ہے۔ اور جو پھر دے گا۔ وُہ لاحق ہے۔ درجہ پہلے والے کا یقیناً زیادہ ہے۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ نیکی میں ایک دُوسرے سے آگے بڑھنے

والے جنت میں آگے ہیں - یعنی نیکی کے موقعہ پر جو مسلمان کوشش کرے - کہ میری نیکی اوروں سے بڑھ جائے - اور میں قیامت میں سب سے بڑھ چڑھ کر آؤں - تو یہ بھی سابقین میں داخل ہے ؛

آج ہم لوگ کوٹھی ، مال ، موٹر کار وغیرہ دنیاوی سامان میں ایک دوسرے سے بڑھنا چاہتے ہیں - مگر صحابہ کرام کی نظر مال پر نہ تھی - اعمال پر تھی - اُن کا ہر وقت آپس کا مقابلہ اعمال میں رہتا ہے - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے بڑھنا چاہتے تھے - مگر نہ بڑھ سکتے تھے - یہ اسی آیت پر عمل تھا ؛

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ کے یا تو یہ معنے ہیں - کہ یہ سابقین دُنیا میں بارگاہِ الٰہی میں مقرب والے ہیں - مُقَرَّبُوْنَ کے معنے ہیں - قریب کئے ہوئے یعنی یہ قرب انہیں اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہوا - بلکہ ربّ تعالیٰ نے انہیں بخشا - کیونکہ اعمال کی توفیق پھر قبولیت ، ربّ تعالیٰ کی طرف سے ہے - یا یہ مطلب ہے - کہ لوگ مقرب ہوں گے - یعنی اُنہیں جنت الفردوس میں جگہ دی جائے گی - جو عرش سے بالکل قریب ہے ؛

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝

ترجمہ - پاک ہے وہ جو رات کچھ حصّہ شب میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں دی ہیں۔ تاکہ ہم اس بندہ کو آسمانی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ بندہ بلاواسطہ اپنے رب کا کلام سننے والا ہے۔ اور اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والا ہے۔ یا وہ رب اپنے پاس بندے کو بلا کر اپنا کلام سنانے والا اور اپنا دیدار دکھانے والا ہے۔ یا رب اپنے بندے کو اپنے قرب خاص میں بلا کر اس بندے کی باتیں سننے والا اور اس قرب میں دیکھنے والا ہے ؁

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ایک خاص معجزے یعنی معراج کا ذکر فرما رہا ہے۔ معراج کی حکمتیں اور اس واقعہ کی تفصیل تو ہم دوسری جگہ بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اس صحبت میں اور نوعیت سے اس آیت میں گفتگو کرتے ہیں ؁

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو قریباً تیس دفعہ معراج عطا فرمائی۔ جس میں ایک جسمانی تھی۔ جو بیداری کی حالت میں واقع ہوئی باقی روحانی تھیں۔ خواب میں ہوئیں ؁

اس آیت کریمہ میں جسمانی معراج کا ذکر ہے۔ جو بیداری کی حالت میں ۲۷ رجب کو ہوئی۔ کیونکہ اس میں فرمایا گیا۔ بِعَبۡدِہٖ اپنے بندہ کو لے گیا۔ اور

بندہ جسم و روح دونوں کا نام ہے۔ نیز خواب کی معراج میں کوئی اتنے بڑے معجزے کا ظہور نہیں ہے۔ کہ جسے اس قدر اہتمام سے بیان کیا جاوے۔ نیز اگر خواب کی معراج ہوتی۔ تو مشرکین عرب اس پر اتنا شور نہ مچاتے۔ کیوں انسان خواب میں بڑی بڑی چیزیں دیکھ لیتا ہے۔ سننے والا اس کا انکار نہیں کرتا۔ مشرکین مکّہ کا اتنا شور مچانا اور انکار کرنا اسی وجہ سے تھا۔ کہ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے جسمانی معراج کی انہیں خبر دی۔ اس جسمانی معراج کے تین حصّے ہیں :-

ایک تو مکّہ معظمہ سے بیت المقدّس تک۔ دُوسرے۔ بیت المقدّس سے سدرۃ المنتہیٰ تک، سدرۃ المنتہیٰ سے عرشِ اعظم سے بھی وراء تک۔ پہلا حصّہ عرش سے فرش تک ہے۔ دُوسرا زمین سے آسمان تک، تیسرا حصّہ آسمان سے لامکان میں وہاں تک جہاں، یہاں، وہاں، کہاں، جہاں بھی ختم ہو گیا تھا ؛

بیت المقدّس سے سدرۃ المنتہیٰ تک معراج کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ولقد راٰہ نزلۃً اُخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ ؕ یعنی اللہ تعالیٰ کے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت جبرائیل کو دُوسری بار سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ خود حضُور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سدرہ پر پہنچ کر جبرائیل امین کو شرفِ ملاقات بخشا۔ جیسے میں کہوں۔ کہ میں نے چھت پر چاند دیکھا۔ تو چھت پر میں خود موجود تھا ؛

تیسری معراج سدرۃ المنتہیٰ سے لامکان تک کی معراج کا ذکر اس آیت میں ہے :۔ ثمّ دنا فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی فاوحٰی الیٰ عبدہٖ ما اوحٰی ؕ یعنی پھر وُہ محبُوب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم قریب ہوئے۔ پھر

پھر اور قریب ہوئے۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے قدر میں آگئے۔ یا اُس سے بھی زیادہ قریب، پھر وحی کی رب نے اپنے اس بندے کو جو وحی کی ؛

ظاہر ہے۔ کہ جب کسی سے دور رکھ کر ملاقات کرنا ہو۔ تو اُس سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور جب زیادہ قریب ہوتا ہے۔ تو اُسے اس طرح سے گلے لگاتے ہیں۔ کہ دونوں ہاتھوں کی دو کمانیں بنا کر پھر ان کمانوں کو ملا کر دائرہ بنا کر اس دائرہ کے بیچ میں اپنے پیارے کو لے کر پھر اور زیادہ قریب کرتے ہیں۔ کہ اُسے اپنے سینہ سے لگا لیتے ہیں۔ جسے معانقہ کہتے ہیں ؛

رحمتِ خداوندی نے اپنے قرب خاص میں اپنے حبیب کو آغوشِ رحمت میں اس طرح لیا۔ کہ آگے بھی خدا کا نور، پیچھے بھی خدا کا نور، بیچ میں جنابِ مصطفیٰ کا ظہور، جلّ وعلیٰ:۔ وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ٥ اس وقت رحمتِ خداوندی دائرہ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اُس کے مرکز تھے ؛

پھر اُسی پر بس نہیں بلکہ اَوْ اَدْنٰی اس سے بھی زیادہ قرب عطا ہوا۔ جس کا بیان ناممکن ہے ؛

پھر کوہِ طور پر جو موسیٰ کلیم اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہٗ سے پیام و کلام ہوا۔ وہ قرآن پاک میں اعلانیہ بیان کر دیا گیا۔ مگر اس قرب خاص میں جو اپنے حبیب سے خاص کلام ہوا۔ اس پر کسی کو مطلع نہ فرمایا۔ بلکہ یوں فرما دیا:۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ٥ اپنے بندے کو جو بھی وحی کی۔ وہ کی۔

ا:۔ اس مذکورہ آیت میں اُن تینوں معراجوں کو بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ٥ میں پہلی معراج یعنی فرشی سفر کا ذکر ہے:۔ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا میں بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی معراج کا ذکر ہے۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ

اٰیٰتِنَا سے مُراد آسمانی نشانیاں ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف آسمانوں پر مُلاحظہ فرمائیں۔ پیغمبروں کی ملاقات، جنتی، دوزخی لوگوں کا ملاحظہ بیت المعمور کی سیر، جنّت و دوزخ کا معائنہ فرمانا، غرض کہ ان تمام کا ذکر اس ایک جملہ میں فرما دیا گیا۔ اور اِنَّہٗ ھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ٥ میں ربّ تعالیٰ کے قربِ خاص اس کا دیدار اُس کی سُننا، اپنی سُنانا، اُسے بلا حجاب دیکھنا مذکور ہے ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمی

خیال رہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کروڑوں صفات ہیں مگر وُہ تمام تین قسم کی ہیں:۔

۱:۔ بشری ، ۲:۔ ملکی ، ۳:۔ حقی ؛

بشری صفات کا ذِکر اس آیت میں ہے:۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ٥

ملکی صفات کا ذکر اس حدیث میں ہے:۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرّب ولا نبی مرسل ٥

حقی صفات کا ذِکر اس حدیث میں ہے:۔ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقّ ط

اسی لحاظ سے حضور علیہ السّلام کو تین معراجیں ہُوئیں۔ بیت المقدس تک بشری معراج ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ تک ملکی معراج اور سدرۃ المنتہیٰ سے لا مکان تک حقی معراج ہے ؛

یہ بھی خیال رہے۔ کہ بشر تمام مخلوقات کی صفات کاملہ کا جامع ہے۔ بشر میں جمادات، نباتات، حیوانات، فلکیات، عنصریات، ملک و جن وغیرہ تمام کی تمام کمالی صفات کو ربّ تعالیٰ نے جمع فرما دیا۔ یہ اکمل مخلوق ہے جیسے

درخت میں دانہ، اور تمام بشری کمالات کا مجموعہ، حضرات انبیائے کرام کی ذات بابرکات ہے۔ اور تمام انبیائے کرام کی صفات کا مجموعہ ذات بابرکات جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ۵

اسی لیئے بیت المقدس میں ہی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام کامل بشر حضرات انبیاء کے امام ہوئے۔ اور سارے مقتدی۔ تاکہ آپ کی اکملیت کا پتہ چلے۔ کہ پیچھے آنے والا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام کامل بشر حضرات انبیاء کے امام ہوئے۔ اور سارے ،،

اگلوں سے آگے ہے۔ اور اِدھر سارے فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیل امین کو سدرہ پر چھوڑ کر کہیں آگے۔ تشریف لے گئے۔ تاکہ معلوم ہو۔ کہ یہ محبوب ملائکہ سے بھی آگے والے ہیں۔

لطیفہ:۔ اس جگہ ایک سوال پڑتا ہے۔ کہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلی معراج یعنی بیت المقدس تک کے سفر کی ابتداء وانتہاء دونوں بیان فرمائیں۔ کہ فرمایا۔ کہ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى اور آخری دو معراجوں کی انتہاء کا ذکر بھی نہیں۔ اور ابتداء کی تفصیل نہیں۔ حالانکہ وہ معراجیں زیادہ عجیب ہیں۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ ان کی زیادہ تفصیل ارشاد ہوتی۔ مگر ہوا اس کے برعکس کہ دوسری معراج کا صرف اس قدر ذکر فرمایا:۔ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۵ اور تیسری معراج کی طرف صرف اس قدر اشارہ فرمایا۔ کہ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۵ اس میں کیا راز ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ چونکہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں زمین پر واقع ہیں۔ اور دونوں مقام اہل عرب کے دیکھے بھالے ہیں۔ اس لیئے اُن دونوں

دونوں کا ذکر اہلِ عرب کے لیئے فائدہ مند تھا۔ لیکن سدرہ اور لامکان اُن کے وہم و عقل سے وراء تھا۔ جہاں اُن میں سے کوئی کبھی نہ گیا تھا۔ اُس کا ذکر کرنا اُن کے لیئے بیکار ہی ہوتا۔ لہٰذا بیان نہ فرمایا گیا۔ جیسے کوئی آدمی ہم سے کہے۔ کہ مَیں لندن میں فلاں محلّہ سے فلاں محلّہ اور فلاں نمبر کی بلڈنگ تک گیا۔ تو ہمارے لیئے اُس کا ذکر بیکار ہے۔ کہ ہم نے نہ اُن محلّوں کو کبھی دیکھا ہے۔ نہ سُنا ؏

نیز پہلی معراج کی ابتداء و انتہاء بتانے میں اگلی دو۲ معراجوں کی دلیل بھی دے دی گئی ہے۔ یعنی اُسے کفارِ عرب تمہارے نزدیک صرف ایک رات میں مکّہ معظمہ سے بیت الاقصیٰ جا کر لَوٹ آنا عقلاً ناممکن ہے۔ اور ایسا تو ہو گیا۔ اگر تمہیں یقین نہ ہو۔ تو اُن محبُوب سے مسجدِ اقصیٰ کی نِشانیاں اور علامات پُوچھ لو۔ اور اپنی دیکھی ہُوئی نشانیوں کے موافق کو لو۔ جب یہ معجزہ ثابت ہو گیا۔ تو سمجھ لو۔ کہ دُوسری دو۲ معراجیں بھی صحیح ہیں۔ جو ربّ تعالیٰ اِس معجزہ پر قادر ہے۔ وُہ دُوسرے پر ضرُور قادر ہے۔ تو چونکہ یہ پہلی معراج دلیل تھی۔ اور دُوسری دو۲ معراجیں گویا دعوے۔ اِس لیئے اِس دلیل پر زیادہ زور دیا گیا۔ کیونکہ دلیل پر ہی زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ دنیا میں دعوے پہلے ہوا کرتا ہے۔ اور دلیل بعد میں۔ مگر ربّ تعالیٰ نے پہلے یہاں دلیل ذکر فرمائی۔ پھر دعوے ؏

چنانچہ کفّارِ مکّہ نے نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بیت المقدّس کی بہت سی علامات اِمتحاناً پُوچھیں۔ اور جب ساری نشانیاں حضور علیہ السّلام نے صحیح صحیح بتا دیں۔ تو پھر اُنہیں اگلی دو۲ معراجوں کے اِنکار کی گنجائش ہی نہ رہی۔ بلکہ صرف منہ سے یہ ہی کہتے ہیں۔ رہے۔ کہ یہ معراج بھی ایک جادو ہے۔ اور بہت سے کفّار نے اِن نشانیوں کو دیکھ کر اگلی وُہ معراجوں کی تصدیق کی۔ اور مُسلمان ہو گئے ؏

اِس معراج میں دو معجزے اور بھی ظاہر ہوئے۔ ایک یہ کہ ہم اپنی زندگی میں پانی، ہوا، زمین اور غذاء وغیرہ کے محتاج ہیں۔ مگر نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے سب محتاج ہیں۔ حضور کسی کے حاجت مند نہیں۔ سوائے ربّ تعالیٰ کے کسی کو آپ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ کرّہ نار سے آگے نہ ہوا ہے نہ پانی، نہ غذا، نہ زمین، غرض کوئی چیز نہیں۔ مگر پھر بھی اتنا بڑا سفر ایسے مقام میں فرمایا۔ اور زندگی بعینہٖ ویسے ہی قائم رہی۔ نہ کرّۂ آگ سے نقصان پہنچا، نہ کرّۂ زمہریر پر سے ٹھنڈک۔

نیز دل ایسی نازک چیز ہے۔ کہ اگر اُس کو ذرا سی ٹھیس لگ جاوے۔ تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر معراج میں ملائکہ نے دِل نکالا، اُسے شگاف دیا۔ اُس ہی میں سے ایک پارہ گوشت نکالا۔ مگر تکلیف بھی محسوس نہ فرمائی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

ترجمہ:- اور وُہ ربّ تمہارے ساتھ ہے۔ اور اللہ اُن اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ جو تم کرتے ہو ؞

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفاتِ عالیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اُس سے پہلے اپنی سلطنت، اپنے علم کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ ہم بندوں کے ساتھ ہیں۔ وُہ جہاں بھی ہُوں ؞

اللہ تعالیٰ نے اِس مضمون کو قرآن کریم میں مختلف عنوان سے بہت جگہ فرمایا ہے۔ کہیں فرمایا:-

"وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۝"

ترجمہ:- جب تیرے بندے آپ سے میرے بارے میں پُوچھیں۔ تو مَیں قریب ہوں۔ کہیں فرمایا:-

"نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝"

ترجمہ:- ہم شاہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ کہیں فرمایا:-

"نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝"

ترجمہ:- اُس مرنے والے سے بمقابلہ تمہارے ہم زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ مگر تم دیکھتے نہیں۔ کہیں فرمایا:-

"وَفِىْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝"

ترجمہ:- ہم اور ہمارے دلائلِ قدرت تمہاری جانوں میں ہیں۔ تو تم دیکھتے کیوں نہیں؟

اور یہاں فرمایا:- وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ۵

ترجمہ:- وہ رب تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں بھی ہو؛ غرض کہ عنوان مختلف ہیں۔ مضمون قریباً ایک ہے ؁

اِس آیت میں فرمایا گیا۔ کہ ربّ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ تم جہاں ہو۔ لیکن ہم مکانی اور زمانی ہیں۔ رب تعالیٰ زمانہ اور مکان سے پاک ہے ؁

بے زمانی کا زمانی سے اور لا مکانی کا مکانی سے، لا محدُود کا محدُود سے ساتھ کیسا؟ نہ ہم مکان اور زمان سے آزاد ہو سکیں۔ نہ وہ اُن سے مقیّد ہو سکے۔ پھر ساتھ نبھے تو کیونکر؟

اِس لئے علمائے کرام نے فرمایا۔ کہ یہاں ذات کی معیّت اور مکانی یا زمانی معیّت مراد نہیں۔ بلکہ صفات کی معیّت مراد ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کی صفات تمہارے ساتھ ہیں۔ اِس لئے اِس معیّت کی تین صُورتیں ہیں۔ ایک عام معیّت دوسرے مؤمنوں سے خاص معیّت، تیسرے کافروں سے خاص معیّت ؁

رزاقیّت، قدُرت اور علم کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ ہر کافر و مؤمن، مخلص منافق بلکہ انسان اور غیر انسان سب کے ساتھ ہے۔ یعنی بندہ جہاں بھی ربّ تعالیٰ کی قدرت کے ماتحت ہے۔ رب تعالیٰ کے علم میں ہے۔ رب تعالیٰ۔ اِس کا وہاں ہی رزّاق ہے۔ اِس صُورت میں مَعَكُمْ میں خطاب عام ہوگا۔ اور ہر بندہ اِس کا مخاطب ہوگا۔ کیونکہ اِس لحاظ سے اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ ہے۔ اور رحمت، مغفرت، فضل و کرم، ستاری، غفاری کی شان سے ربّ تعالیٰ صرف مومنوں کے ساتھ ہے۔ کفار کے ساتھ نہیں۔ اِس صُورت میں یہ خطاب صرف مسلمانوں سے ہوگا۔ یعنی اے مومنو! ہماری رحمت و کرم وغیرہ تمہارے ساتھ ہے۔ کافروں کے ساتھ نہیں۔ اُن سے دُور ہے خود فرماتا ہے:-

"اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝"

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کی رحمت بھلائی والوں سے قریب ہے !

اور عذاب ، قہر ، پکڑ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کافروں سے قریب ہے - یعنی اے کافرو! ہمارا قہر ، عذاب اور پکڑ تمہارے قریب ہے - انشاء اللہ یہ چیزیں مؤمنوں سے دُور ہیں - اسی لیئے رب تعالیٰ مجرموں کو جلدی نہیں پکڑتا - کہ اُس کے بھاگ جانے کا خطرہ نہیں - رب سے بچ کر کہاں جاوے گا - دُنیاوی بادشاہ مجرم کو اِس لیئے جلد پکڑتے ہیں - کہ مجرم بھاگ نہ جاوے ؛

اب رہی یہ تفصیل کہ اللہ تعالیٰ کب سے ساتھ ہے اور کہاں ساتھ ہے - ان دونوں باتوں کو اِس آیت میں واضح فرما دیا - وَھُوَ مَعَکُمْ جملہ اسمیہ ہے - جس میں زمانہ کی پابندی نہیں ہوتی - یعنی جب تم عالمِ ارواح میں تھے - تو ہم تمہارے ساتھ تھے - جب تم باپ کی پشت اور ماں کے پیٹ میں - پھر ماں کی گود میں آئے تو ہم تمہارے ساتھ رہے - اور جب تم قبر کے گوشہ اور محشر کے میدان ، پھر پلصراط ، پھر جنت یا دوزخ میں پہنچو گے - تب بھی تمہارے ساتھ رہیں گے غرضکہ جب روح جسم کے ساتھ چھوڑو گے - تب بھی ہم تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں - کیونکہ وَھُوَ مَعَکُمْ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے ؛

اَیْنَمَا کُنْتُمْ میں یہ بتایا - کہ تم کہیں ہو - کس حال میں ہو ، ہم تمہارا ساتھ نہیں چھوڑتے ، ماں ، باپ ، آل ، اولاد ، گھر میں ساتھ ، باہر علیحدہ ، باہر کے دوست کے ساتھ ، گھر میں علیحدہ - پھر کبھی ایسی جگہ بھی آتی ہے - جہاں ہم اکیلے ہوں - قبر میں کوئی ساتھ نہیں - مگر وُہ مہربان رب ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے - غرضکہ وَھُوَ مَعَکُمْ نے بہت ہی وصفت سے رب تعالیٰ کا ساتھ ہونا بتایا ؛

فائدہ :- اگر ہم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے پر حقیقی طور پر یقین ہو

جاوے۔ تو تین بہت بڑے بڑے فائدے حاصل ہوں ؎

۱ - : ایک تو ہم کبھی گناہ نہ کریں۔ جب کسی حال میں گناہ کا خیال پیدا ہُوا۔ تو فوراً قرآن کی آواز پہنچے۔ کیا کرتا ہے؟ ارے کم بخت! رب تعالیٰ تیرے ساتھ ہے۔ تجھے دیکھ رہا ہے۔ فوراً گناہ کا ارادہ ہی ختم ہو جاوے۔ اِس آیت سے غفلت گناہ کا سبب ہے۔ لہٰذا یہ آیت تقویٰ کی اصل ہے۔ جب دنیاوی حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر خلافِ قانون کوئی کام ہم نہیں کرتے۔ تو احکم الحاکمین کے سامنے پہنچ کر کیسے کریں۔ مگر غفلت کراتی ہے۔ ؎

۲ - : دُوسرے یہ کہ هُوَ مَعَكُمْ پر ہمارا دھیان رہے۔ تو عبادات میں ایسا لطف آوے۔ کہ ہم دُنیا و ما فیہا سے غافل ہو جائیں۔ عاشق محبوب کے سامنے پہنچ کر غیر سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ تو بندہ رب تعالیٰ کے سامنے پہنچ کر کیوں نہ فنا ہو جائے۔ اِسی لیئے سیّدِ عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا۔ کہ عبادت ایسی کرو۔ کہ گویا ربّ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ خیال پکاؤ۔ اور پھر کہو۔ : رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا ﴿الآیہ﴾ دیکھو پھر کیا لطف آتا ہے۔ لہٰذا یہ آیت تصوّف اور خشوع و خضوع کی اصل ہے۔ جب عبادت میں حضور نصیب ہو جاوے۔ تو پھر کون سا درجہ ہے۔ جو ہم کو حاصل نہ ہو۔ مگر غفلت اُس سے بھی روکتی ہے ؎

۳ - : تیسرے یہ کہ اگر هُوَ مَعَكُمْ پر نگاہ رہے۔ تو ہم دُنیاوی کسی مشکل میں پھنس کر گھبرا نہیں سکتے۔ جب مشکلات کا ہجوم ہُوا۔ آفات گھیرے ہوئے ہوں۔ دِل بیٹھا جاتا ہو۔ اچانک قرآن پکارے۔ کہ گھبرا مت ہم اب تیرے ساتھ ہے۔ پھر نہ گھبراہٹ رہے نہ غم ؎

اگر کسی گھر میں چور گھُسیں۔ اور گھر والا اکیلا ہو۔ تو گھبرا جاوے گا۔

لیکن اِس حالت میں اگر کوئی آس پڑوس پُکارے۔ تو گھبرانا مت، ہم آئے تو چور کے پاؤں اُکھڑ جائیں گے اور مالک کو سکوُن نصیب ہو گا ؛

جب بندے کی آواز سے اکیلے کی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ تو ربّ تعالیٰ کے فرمان پر کہ اے بندے گھبرانا مت! میں تیرے ساتھ ہوں۔ ہماری ڈھارس کیوں نہ بندھے ؛

لہٰذا یہ آیت شجاعت، بہادری، صبر، استقامت کی اصل ہے۔ لیکن اِس سے غافل ہو کر ہم گھبرا بھی جاتے ہیں۔ اور بزدل بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی غفلت کا نتیجہ ہے ؛

حکایت :- ابراہیم علیہ السّلام جب حضرت ہاجرہ اور چھ ماہ کے بچے اسمٰعیل علیہ السّلام کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ کر چلے۔ تو حضرت ہاجرہ نے پُوچھا۔ کہ اِس لق و دق بیابان میں ہم کو کس پر چھوڑتے ہو؟ اشارہ سے کہا۔ کہ اِسی ایک اللہ تعالیٰ پر، تو آپ نے پوچھا۔ کہ ربّ تعالیٰ نے ہمیں چھڑوایا ہے؟ سر سے اشارہ فرمایا۔ کہ ہاں۔ تو نہایت مطمئن ہو کر بولیں۔ کہ اب کچھ پرواہ نہیں وُہ میرے ساتھ ہے۔ ہمیں ضائع نہ کرے گا ؛

دیکھو پھر اِسی جنگل میں ربّ تعالیٰ نے مکّہ شریف آباد فرما کر دُنیا کو وہاں پہنچا دیا۔ یہ ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ کا کرشمہ ؛

حکایت :۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السّلام کو حکم ہوا۔ کہ فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرو۔ اُنہوں نے عرض کیا۔ ہم کو خوف ہے۔ کہ وُہ ہم پر ظلم کرے گا۔ کیونکہ ہم دو ہیں، وُہ بہت ہیں۔ اور قوی ہیں۔ فرمایا۔: لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا ط تم ڈرو نہیں۔ مَیں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ فرمان سُننا تھا۔ کہ ہمت بندھ گئی۔ اور آخر یہ دونوں بھائی اِس کی ساری خدائی پر غالب آ گئے۔ یہ ہے

وَهُوَ مَعَكُمْ ۵ کی بہار ❀

حکایت :۔ موسیٰ علیہ السّلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے اور بحرِ قلزم کے قریب پہنچے۔ تو پیچھے فرعون کئی لاکھ کا لشکر لے کر پہنچ گیا۔ بنی اسرائیل بولے۔ کہ ہم تو گئے۔ آگے سمندر ہے۔ پیچھے فرعون نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ کلیم اللہ نے فرمایا۔ كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۵ ترجمہ:۔ ہم ہرگز نہیں ہلاک ہو سکتے۔ کیونکہ میرے ساتھ میرا رب ہے۔ جس کے ساتھ رب ہو۔ اُسے کون ہلاک کرے ؎

محال است چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گزارد ترا

حکایت :۔ جب شہنشاہِ دوجہان تختِ نشین لامکان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم غارِ ثور میں یار کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ ہجرت ہے اور کفّار وہاں غار تک پہنچ گئے۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ہی بے قراری سے عرض کرنے لگے۔ کہ اب کیا کریں۔ دُشمن سر پر آگیا۔ کہ اگر وُہ اپنے پاؤں کو دیکھے۔ تو ہم کو دیکھ لے۔ تو سرکارِ ابد قرار صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نہایت بے پروائی سے فرمایا :۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۵ ترجمہ:۔ ڈرو مت اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ❀

اِس فرمان پر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وُہ سکونِ قلب نصیب ہوا۔ کہ سُبحان اللہ یہ ہے :۔ وَهُوَ مَعَكُمْ کی کاریگری ❀

اے ربّ تیرے کرم کے قربان! کہ اپنے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ایسے سخت دشمن کے شر سے مکڑی کے کمزور جالے کے ذریعے سے بچا لیا۔ وُہ فیل کو ابابیل سے ہلاک فرماتا ہے ❀

غرض کہ یہ آیت کریمہ تقوےٰ، طہارت، تصوف اور شجاعت سب کی جڑ ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ ربّ تعالیٰ اپنے قرب خاص اور معیت خصوصی کے باعث ہم سے چھپ گیا۔ کیونکہ آنکھ جیسے بہت دُور کی چیز کو نہیں دیکھ سکتی۔ ایسے ہی بہت قریب کی چیز کو دیکھنے سے مجبور ہے۔ رُوح نظر بلکہ خود آنکھ کو اُس آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ یہ قریب ہیں۔ اگر اس آنکھ سے خود آنکھ کو دیکھنا ہو۔ تو کوئی آئینہ سامنے رکھو۔ جس میں آنکھ کا نقشہ کھینچے۔ وُہ نقشہ چونکہ زیادہ قریب نہیں۔ لہٰذا نظر آ جائے گا۔

اِسی طرح اگر ربّ تعالیٰ کا جمال دیکھنا ہو۔ تو زیادہ قرب کی وجہ سے نظر نہ آ سکے گا۔ اُسے رخسارِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے آئینہ میں دیکھو۔ اُن کا رخسار آئینہ جمالِ یار ہے۔ بلکہ حضور علیہ السّلام کی ذات خود خالق مخلوق بلکہ ہمارے اپنے نقش کا آئینہ ہے ؎

گفت من آئینہ مشغول دوست

ترکی و ہندی بہ بیند آنچہ اوست

نیز ربّ تعالیٰ کا زیادہ قرب اُس سے دُوری کا باعث ہو گیا۔ دُور کی چیز کا ڈھونڈھنا آسان ہے۔ مگر اپنی تلاش مشکل ہے۔

حکایت:۔ کسی سرائے میں ایک جوہری ٹھہرا ہوُا تھا۔ جس کے پاس اعلیٰ اور بیش قیمت موتی تھے۔ لیکن ایک ہیرا نہایت ہی قیمتی ڈبیہ میں تھا۔ جسے وُہ ہر وقت جیب میں رکھتا تھا۔ وہاں کوئی چور بھی ٹھہرا ہوُا تھا۔ اُس نے یہ ہیرا تاڑا۔ اور اُس جوہری سے محبت پیدا کر کے سفر میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ مگر چاہتا تھا۔ کہ یہ ہیرا چرائے۔

کسی دُوسرے شہر کی سرائے میں پہنچے۔ ایک ہی کمرہ کرایہ پر لیا۔ سوتے

وقت جوہری اور چور نے جب اپنے کپڑے اُتار کر کھونٹی میں ٹانگے۔ تو جوہری نے چپکے سے وہ ہیرے کی ڈبیہ چور کی قمیض کی جیب میں ڈال دی۔ رات کو چور بُری نیت سے اُٹھا۔ اور جوہری کا تمام سامان ٹٹولا۔ مگر ڈبیہ نہ پائی۔ مایوس ہو کر سو رہا۔ سمجھا کہ وہ ڈبیہ کہیں گر گئی۔ صبح ہوتے ہی جوہری نے ڈبیہ اُس کی جیب سے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی؞

چور نے پوچھا۔ سیٹھ صاحب! وہ ڈبیہ کہاں ہے؟ اُس نے جیب سے نکال کر دکھا دی۔ کہ یہ ہے۔ چور حیران رہ گیا؞

کئی رات تک یہ معاملہ رہا۔ کہ چور رات کو سیٹھ کے سامان میں ڈبیہ ڈھونڈتا مگر نہ پاتا۔ اور صبح کو سیٹھ سے پُوچھتا۔ وہ نکال کر دکھا دیتا؞

آخر تنگ آ کر ایک روز سیٹھ سے کہا۔ کہ اے اُستاد! مَیں چور ہُوں تیرے ساتھ اُس ڈبیہ کی تاک میں رہا۔ کئی راتیں ہر چند تلاش کی۔ مگر نہ پائی۔ مَیں چوری میں کامل تھا۔ مگر تو حفاظت میں میرا اُستاد نِکلا۔ یہ بتا دے۔ کہ تُو روزانہ رات کو یہ ڈبیہ کہاں رکھتا ہے؟

جوہری نے پُوچھا۔ کہ بتا تُو کہاں ڈھونڈتا ہے؟

چور بولا۔ کہ تیرے سامان سے۔

جوہری نے کہا۔ وہ ڈبیہ تیری جیب میں ہوتی تھی۔ تُو میرے سامان میں ڈھونڈتا رہا۔ اپنے میں تلاش نہ کیا۔ اگر اپنے میں تلاش کرتا۔ تو ہیرا ضرور پا لیتا؞

جمالِ یار ہمارے اندر ہے۔ مگر ڈھونڈتے اور جگہ ہیں؞

اگر ربّ تعالیٰ کی تلاش ہے۔ تو اپنے کو ڈھونڈھو؞

لیکن یہ بھی خیال رہے۔ کہ اپنے کو خود نہیں تلاش کیا جا سکتا۔ جب تک کہ

دُوسرا تلاش کر کے نہ بتائے ؛

ہماری بیماریاں خود ہم میں ہوتی ہیں۔ مگر حکیم ہماری نبض دیکھ کر بیماریاں ہم کو ہی بتاتا ہے۔ اپنی ذات و صفات کے معلوم کرنے میں دُوسرے کے محتاج ہیں۔ ظاہری حکیم ہماری ظاہری بیماری و تندرستی دکھاتے ہیں۔ باطنی حکیم ہمارے باطنی احوال پر ہم کو مطلع کرتے ہیں ؛

اعتراض :۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس آیت سے معلوم ہؤا۔ کہ ہر جگہ ربّ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہم تو نجس و پلید ہر جگہ ہوتے ہیں۔ اور اچھے بُرے ہر طرح کے کام کرتے ہیں۔ اُن مقامات اور اُن حالات میں ربّ تعالیٰ کا ہونا اُس کی شان کے خلاف ہے ؛

جواب :۔ ہم بتا چکے ہیں۔ کہ ربّ تعالیٰ کی معیّت ذاتی نہیں۔ صفاتی ہے۔ کیونکہ ہم بندے زمانی اور مکانی ہیں۔ وُہ اُن حدود سے پاک ہے۔ تو محدود لا محدود کی ہمراہی ناممکن ہے۔ ہاں اس کا علم قدرت، رزاقیت ہر جگہ ہے۔ اور گندے مقامات میں ہونا اس کی علم و قدرت کے لیئے مضر نہیں۔ سُورج کی دُھوپ اور چاند کی چاندنی ہماری نگاہ کا نُور ہر جگہ پڑتے ہیں۔ مگر کیا یہ گندے ہو جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اِسی طرح ربّ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے۔ مگر کِسی جگہ کا اثر نہیں لیتا ؛

اعتراض :۔ جب اللہ تعالیٰ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے۔ تو اُسے غائب کے صیغے سے کیوں یاد کرتے ہو؟ غائب کا صیغہ دُور کے لئے ہے۔ پاس موجود کے لیئے حاضر کے صیغے ہیں۔ خود اُس آیت میں ہے۔: وَهُوَ مَعَكُمْ ۵ وُہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ جب ساتھ ہے۔ تو وُہ کیسا؟

جواب :۔ وُہ تو ہر جگہ ہمارے ساتھ حاضر ہے۔ مگر ہم اُس سے دُور

ہیں - اپنی دُوری کے لحاظ سے اُسے وُہ کہتے ہیں - اور اُس کی نزدیکی کے لحاظ سے اُسے وُہ کہتے ہیں - اور اُس کی نزدیکی کے لحاظ سے اُسے تو کہتے ہیں ؎

یار نزدیک تر از من بمن است
ویں عجب ہیں کہ من از وے دورم

اعتراض :- جب رب تعالیٰ ہر وقت بندے کے ساتھ ہے تو اُسے آواز سے کیوں پُکارتے ہو ؟ آہستہ پکارا کرو - چیخ کر اُسے پُکارا جاتا ہے جو دُور ہے ؟

جواب :- بلند آواز سے پکارنا اُس کو سُنانے کے لیئے نہیں بلکہ خُود اپنا دل جگانے اور در و دیوار کو گواہ بنانے، شیطان کو بھگانے اور سوتوں کو جگانے کے لیئے ہوتا ہے - جیسے آذان، تکبیراتِ عیدین اُونچی آواز سے کہے جاتے ہیں - حالانکہ وُہ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے - مگر وہاں لوگوں کو اطلاع دینا منظور ہے - نہ کہ ربّ کو سُنانا -

نعت شریف :- جیسے رب تعالیٰ نے اپنی دیگر صفات کا مظہر اپنے بندوں کو بنایا ہے - اسی طرح ہر جگہ ہر ایک کے ساتھ ہونا خدا تعالیٰ کی صفت ہے - مگر بعض بندوں میں بھی اُس کی جلوہ گری ہے - دیکھو سُورج کی روشنی اور ہوا ہر جگہ ہمارے ساتھ ہیں - ملک الموت ہر جگہ ہم کو دیکھ رہا ہے - اور شیطان ہر جگہ ہم سب پر نظر رکھتا ہے - اور ہمارے حالات کی خبر رکھتا ہے - ربّ تعالیٰ فرماتا ہے :- اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ

اسی طرح جنابِ پاک مصطفیٰ، اُن کی رحمت، اُن کی نگاہِ کرم ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے - رب تعالیٰ فرماتا ہے ؎ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ

مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ترجمہ۔: اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کاروں کے قریب ہے ؛

پھر فرماتا ہے :۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ترجمہ:۔ ہم نے آپ کو جہانوں کے لیئے رحمت ہی بنا کر بھیجا۔ پتہ لگا۔ کہ حضور علیہ السّلام ربّ تعالیٰ کی رحمت ہیں۔ اور رحمت تو ہر جگہ موجود ہے۔ نتیجہ نکلا۔ کہ حضور علیہ السّلام ہر جگہ ہیں۔ یہ ہے ظہور وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ کا ؛

فرماتا ہے :۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۝ ترجمہ:۔ نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم مسلمانوں سے اُن کی جان سے زیادہ قریب ہیں۔ اور جان تو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ لہٰذا جو جان سے زیادہ قریب ہیں۔ وُہ بھی ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ فرماتا ہے :۔

"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۝" ترجمہ:۔ بے شک تم سب کے پاس یہ رسول تشریف لائے۔ جو اُن کی جانوں کی جنس سے ہیں۔ تو جس طرح جان ہر وقت ساتھ ہے۔ ایسے ہی وُہ محبوب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ہر آن ہمارے ساتھ ہیں۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ۝ تمہارا مشقّت میں پڑنا اُنہیں بھاری ہے۔ اگر وُہ ہمارے ساتھ نہیں۔ تو اُنہیں دُکھ درد کی خبر کیسے ہے۔ اگر خبر نہیں تو اُنہیں بھاری کیوں ہے ؟ یعقوب علیہ السّلام بظاہر کنعان میں تھے۔ اور یوسف علیہ السّلام مصر کی مقفّل کوٹھڑی میں زلیخا کے پاس۔ مگر دیکھا۔ کہ ابّا جان ! وہاں سامنے موجود ہیں۔ اور منع فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوُا۔ کہ ہر وقت ساتھ ہیں ؛

"ختم شد"

(کتبہٗ :۔ صوفی محمّد صادق خوشنویس حضرت کیلیانوالہ)